اللہ کے اسمائے حسنی

(الرّب- الرحمن الرحیم-الصّمد

الفتاح-الولی-الحفیظ-الوہّاب-الشکور)

جمع وترتیب:

آ۔ نجلاء السبیل

Dar-twhid.com

تفصیلاتِ کتاب

* کتاب : اللہ کے اسمائے حسنیٰ

* جمع وترتیب : اَ۔ نجلاء السبیل

* سن اشاعت : ۱۴۴۲ھ-۲۰۲۰ء

* صفحات : ۱۰۶

* رابطہ (ادارہ) : dar-twhid.com

* رابطہ (ترجمہ کمیٹی): binhifzurrahman@gmail.com

مقدمہ

ہر قسم کی تعریف اور حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، درود وسلام ہو تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے افضل واشرف ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے آل اور آپ کے تمام اصحاب پر۔

اے اللہ تیری ذات پاک وبے عیب ہے، تیری ہی حمد وثناء ہے۔ میرے پاس جو بھی علم ہے وہ تیرا ہی سکھایا ہوا ہے، تو بہت علم وحکمت والا ہے۔ اے اللہ مجھے وہ علم عطا فرما جو میرے لیے نفع بخش ہو، تو نے جو علم مجھے سکھایا ہے اسے میرے لیے نفع بخش بنا اور میرے علم میں اضافہ فرما۔

محترم قارئین!

یہ کتابچہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، میری تالیف نہیں ہے۔ یہ علم وحکمت پر مشتمل جمع شدہ مواد ہے جسے میں نے اہل علم کے کلام سے جمع کیا ہے۔ علم دین کی برکت کے اسباب میں سے یہ ہے کہ اہل فضل کی طرف فضل کو لوٹایا جائے، ان ہی کی طرف اس کا انتساب کیا جائے، اسی وجہ سے میں اس جمع کردہ علم وحکمت کی باتوں کو اہل علم کی طرف لوٹا رہی ہوں اور اللہ تعالی کی ذات سے برکت، نفع اور قبولیت کی امید رکھتی ہوں۔

کئی سالوں سے میری یہ تمنا و آرزو رہی ہے کہ اسماء وصفات کے دروازہ پر دستک دوں اور اس موضوع پر کچھ خامہ فرسائی کروں، لیکن اسی کے ساتھ یہ شدید خوف بھی لاحق رہا ہے کہ کہیں میں کسی ایسے کام کا آغاز نہ کر بیٹھوں جس کے بارے میں مجھے اچھی طرح علم ہے کہ میں اس کی اہل نہیں ہوں اور اس میدان میں مجھے اپنی کم مائیگی کا پورا احساس ہے۔ یہی دونوں باتیں اس آرزو کی تکمیل میں ایک

عرصہ تک رکاوٹ بنی رہیں، لیکن جب میں نے اسماء و صفات کے علم کے تعلق سے علماء کے اقوال اور بیانات کو سنا تو میرا خوف و اندیشہ دور ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالی اور اس کے اسماء وصفات کی تعریف کے بارے میں ڈاکٹر فرید انصاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اس تعلق سے میری اوپر یہ ذمہ داری ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس حقیقت سے باخبر کر دوں کہ اللہ تعالی کی ذات اور اس کے اسماء وصفات کا علم ایک شیرینی اور مٹھاس ہے، ویسی مٹھاس اور حلاوت آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔ اس حلاوت و مٹھاس کے ذائقے کو بیان کرنا میرے بس سے باہر ہے؛ اس لئے کہ کسی بھی حلاوت و مٹھاس کا احساس اسے چکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اس باب میں جو علوم و معارف ہیں ان سے آگاہ ہونے کی کوشش کریں، اس کی جو حلاوت و مٹھاس ہے اسے آپ خود چکھیں اور اس راہ کے آپ مسافر ہیں تو ان شاء اللہ آپ ہدایت یاب ہوں گے۔"

ان سے پہلے ابن رجب رحمہ اللہ نے اس علم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "مومن کا خزانہ اس کے رب کی ذات ہے" یعنی مومن کا سب سے عظیم ترین سرمایہ اور اس کا سب سے بڑا خزانہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اسماء وصفات کے علم سے بہرور کر دے، یہ علم و معرفت آپ کے دل میں جا گزیں ہو جائے، آپ کے اوپر اس کے آثار کا ظہور ہونے لگے۔ یہی در اصل خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوری طور پر عطا ہونے والی وہ نعمت ہے جسے بندہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں پالیتا ہے اور یہی وہ سب سے شیریں اور لذت آفریں مقام ہے جس پر بندہ دنیا ہی میں فائز ہو جاتا ہے۔"

علماء کے ان اقوال کو سننے اور پڑھنے کے بعد مجھے یہ اشتیاق ہوا کہ اس علم و فضل میں میرا بھی کچھ حصہ ہو اور میں اس سے محروم نہ رہوں۔ میں نے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور اس کے دراسۃ و مطالعہ میں لگ گئی۔ میں ان سارے دروس کو نقل کرتی، ان سے متعلق فوائد کو جمع کرتی، ان کے درمیان ربط و تعلق قائم کرتی اور انہیں اپنی آسان اور رواں و سلیس عبارت میں منتقل کرتی۔ اس عمل کو

انجام دیتے ہوئے میرے ذہن پر سب سے زیادہ جو فکر سوار رہتی تھی وہ یہ تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کو کیسے لوگوں کی حقیقی زندگی اور ان کی روز مرہ کی صورت حال سے مربوط کروں تاکہ ان اسماء کا بلا واسطہ اثر ان کی زندگیوں پر مرتب ہو اور میں بندوں کی ان کے رب کی طرف رہنمائی کرنے کا اجر پاسکوں۔ اس علم کے مطالعہ سے میں نے جو چیز محفوظ کی اور جو نتیجہ اخذ کیا وہ یہ ہے کہ بندہ جب سچے دل سے اپنے رب سے محبت کرنے لگتا ہے تو وہ دوسرے بندوں کا رب سے تعلق استوار کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ میری ہمیشہ سے یہ شدید چاہت رہی ہے کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں جو پہلے تو اپنے رب سے رشتہ و تعلق استوار کرتے ہیں پھر دوسرے بندوں کو رب سے جوڑنے میں اپنی زندگی لگا دیتے ہیں۔

اس کے بعد میں نے اس جمع کردہ مواد کو جھجھکتے ہوئے اپنے محاضرات (لکچرس) میں پیش کرنا شروع کیا لیکن میں نے اس علمی مواد کو مستقل دروس کی شکل میں کبھی پیش کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ میں نے اسے قرآن کی بعض سورتوں کی تشریح و تفسیر کے دوران پیش کیا۔ اصل میں ہم لوگوں نے اپنے مدرسہ "دار التوحید لتحفیظ القرآن" میں قرآن مجید کی آیات اور سورتوں پر غور و فکر کے لئے ایک پروگرام ترتیب دے رکھا ہے جس میں ہم لوگ قرآن مجید کی بعض آیات اور سورتوں کا اجتماعی مطالعہ کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اس ادارہ دار التوحید لتحفیظ القرآن، اس کے منتظمین، اس کی طالبات اور اس سے مستفید ہونے والوں کو خیر و برکت عطا فرمائے۔

علماء کی کتابوں، ان کے بیانات اور ان کی تشریحات سے جمع کردہ علمی مواد آپ کے سامنے ہے۔ اگر اس میں نفع اور خیر و برکت کا کوئی پہلو آپ کو نظر آئے تو یہ اللہ کی توفیق اور اس کے فضل و احسان کی وجہ سے ہے اور اگر اس میں آپ کو کوئی کوتاہی یا نقص نظر آئے تو وہ میری وجہ سے ہے، میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتی ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ میری قارئین کرام سے یہ گزارش بھی ہے کہ اگر آپ لوگوں کے ذہن میں میرے لئے خیر خواہی اور رہنمائی کی کوئی بات آتی ہے تو اس سے مجھے مطلع

کرنے میں بخالت سے کام نہ لیں۔ میں آغاز کلام ہی میں یہ واضح کر چکی ہوں کہ میں بہت جھجھکتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے متعلق علم کے اس دروازہ پر دستک دے رہی ہوں اور اپنے مدعا کو مزید واضح کرنے کے لئے شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ کے ان اشعار کا سہارا لے رہی ہوں۔

أسير خلف ركاب النجب ذا عرج مؤملا غير ما يقضى به عرجى

و إن ظللت بقفر الأرض منقطعا فما على أعرج فى ذاک من حرج

(میں شرفاء کے قافلے کے پیچھے لنگڑاتے ہوئے چل رہا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ میرے پاؤں کا عیب دور ہونے کے علاوہ بھی کوئی فائدہ مجھے حاصل ہو گا۔ اگر میں اس بے آب وگیاہ سرزمین میں قافلے سے کٹ کر اکیلے رہ گیا تو ایک لنگڑے انسان کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔)

اس مقدمہ کے اختتام سے قبل میں یہ کہنا چاہوں گی کہ اس کتابچہ میں جو دروس پیش کئے گئے ہیں انھیں دل کی توجہ درکار ہے۔ آپ اسے سرسری طور پر پڑھنے کے بجائے دل سے متوجہ ہو کر پڑھیں تاکہ آپ اس کی روحانیت کے مدارج طے کر سکیں، اس کے ذریعہ آپ کو رب کی ایسی معرفت حاصل ہو جو آپ کو رب کی بارگاہ میں پہنچادے اور آپ کے لئے تقرب الٰہی کا زینہ بن جائے۔ اور آپ اپنے دل میں رب کی ایسی محبت محسوس کریں کہ ویسی محبت کا دنیا میں وجود ہی نہیں ہے۔

شاعر کے بقول:

ومن ذاک احساس المحب لقلبه بضرب وتحريک الى الله دائما

(اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ محبت کرنے والے کے مضراب دل سے اللہ کی محبت کے نغمے جاری ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے وہ دل اللہ کی محبت کے لئے متحرک ہو جاتا ہے۔)

میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور آپ سب کے لئے نفع بخش علم، نیک عمل اور اصلاح قلب کی دعا کرتی ہوں۔

کوئی بھی سوال یا تاثرات و تبصرے مندرجہ ذیل نمبر پر ارسال کئے جاسکتے ہیں:

0540702001 (یہ مدرسۃ دارالتوحید کا موبائل نمبر ہے)

سبحانک اللھم و بحمدک أشھد ان لا الہ الا أنت أستغفرک و أتوب إلیک

آپ کی بہن

ام عبدالرحمٰن

نجلاء

1433/3/4ھ (بروز سنیچر)

اللہ پاک کا نام "الفتاح":

"الفتاح" اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ یہ اللہ پاک کے ان اسماء میں سے ہے جن کے ذریعہ بندہ کے دل میں رب سبحانہ و تعالیٰ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ "الفتح" یعنی فیصلہ کرنا یا کھولنا، یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اس کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قل یجمع بیننا ربنا ثم یفتح بیننا بالحق و ھو الفتاح العلیم" (سبا/26) (ترجمہ: انہیں خبر دیجئے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کر کے ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے گا، وہ فیصلے چکانے والا ہے اور دانا ہے)

اس آیت کریمہ میں لفظ "الفتاح" مبالغہ کے صیغے کے طور پر استعمال ہوا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان بہت زیادہ فیصلے کرنے والا اور ان کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کو بہت زیادہ کھولنے والا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنے قصیدہ نونیہ میں کہا ہے:

و کذلك الفتاح من اسمائہ — و الفتح فی اوصافہ امران
فتح بحکم و ھو شرع إلھنا — و الفتح بالأقدار فتح ثان
و الرب فتّاح بذین کلیھما — عدلا و احسانا من الرحمٰن

(یہی حال اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام "الفتاح" کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں فتح سے دو چیزیں مراد ہیں۔ ایک فتح اس کا حکم ہے جو ہمارے معبود کی شریعت ہے۔ اور دوسرے فتح سے مراد تقدیریں ہیں۔ رب تعالیٰ ان دونوں امور کو انجام دینے کی وجہ سے فتاح ہے۔ اور یہ دونوں امور رحمٰن کے عدل و احسان کے نمونے ہیں۔)

بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ دو طرح سے کھولتا ہے:

فتح عام (عمومی طور پر کھولنا): اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بندوں کے امور و معاملات اور معاش کے بند دروازوں کو کھولتا ہے، چاہے ان کا تعلق ان کی روزی سے ہو یا مال و اسباب سے ہو یا شادی بیاہ سے ہو یا جھگڑے و نزاع سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی عنایت و مہربانی سے ان امور و معاملات کے جو دروازے بندوں پر بند ہو چکے ہوں انھیں کھول دیتا ہے، ان کی مشکل کو آسان کر دیتا ہے، ان کی رسائی سے دور چیزوں کو ان کے قریب کر دیتا ہے اور جو معاملات لاینحل ہو چکے ہوں انھیں حل فرما دیتا ہے، اسی وجہ سے اس کی ذات الفتاح العلیم (بہت فیصلے کرنے اور کھولنے والی اور داناو باخبر) ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لہ مقاليد السمٰوٰت و الأرض يبسط الرزق لمن يشاء و يقدر انه بكل شيء عليم" (الشوری/12)(ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں، جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے، یقیناوہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔)

اس آیت کریمہ میں لفظ "مقاليد" استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں خزانے یا کنجیاں۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں رزق کی کنجیاں اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ لوگوں کے لئے خیر و بھلائی کے جو دروازے کھول دیتا ہے کوئی ان سے محروم نہیں کر سکتا۔ اور وہ خیر و بھلائی کے جو دروازے لوگوں کے لئے بند کر دیتا ہے، کوئی اسے کھول نہیں سکتا ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: "ما يفتح الله للناس من رحمة فلا ممسك لها و ما يمسك فلا مرسل له من بعده و هو العزيز الحكيم" (فاطر/2) (ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔)

اگر اللہ تعالیٰ بندوں پر بارش کا منہ کھول دے تو کون ہے جو بندوں سے اس بارش کو روک دے گا، یہاں تک اگر لگاتار بارش کی وجہ سے لوگ ڈوبنے لگیں اور ان کے مال واسباب تباہ وبرباد ہونے لگیں تو کوئی بھی اس آفت کو ٹال نہیں سکتا ہے، جیسا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ بصورت عذاب الہٰی ہوا تھا جبکہ پانی پہاڑ کی چوٹیوں تک پہنچ گیا تھا اور وہ لوگ بارش وپانی کے اس عذاب کو اپنے آپ سے دور نہیں کر سکے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بارش، غلے اور پیڑ پودوں کو ایک طویل عرصہ کے لیے روک دے تو اللہ تعالیٰ کے اس بند کیے ہوئے دروازے کو بھی کوئی کھول نہیں سکتا۔ 1

فتح خاص (خصوصی طور پر کھولنا): اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص بندوں کے حق میں کھولنے کا یہ عمل انجام پاتا ہے۔ اس کے لیے ان کے دلوں میں پہلے سے اخلاص، صدق اور تقویٰ کا ہونا ضروری ہے۔ یہ صفات جس قدر بندہ کے اندر پائی جاتی ہیں اسی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے پردے اور رکاوٹوں کو دور کر دیتا ہے۔ یہ دلوں کے بند پڑے تالوں کو کھولنا ہے اور انسانی بصیرتوں کو روشن کرکے دور تک دیکھنے کی اندرونی صلاحیت کو جلا بخشتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

”أفمن شرح الله صدره للإسلام فهو على نور من ربه فويل للقاسية قلوبهم من ذكر الله اولئک فی ضلال مبين“ (الزمر/22) (ترجمہ: کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہے اور ہلاکی ہے ان پر جن کے دل یاد الہٰی سے (اثر نہیں لیتے بلکہ) سخت ہوگئے ہیں۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔)

قرطبی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی طرف سے سینوں کو کھولنے اور انشراح قلب عطا کرنے کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہر مومن کو اس میں سے اس کی صلاحیت کے بقدر حصہ ملتا ہے۔ 2

---

1 النہج الاسمی (212/1)

2 النہج الاسمی (212/1)

یہ اللہ تعالیٰ کا وہی خاص لطف و کرم ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے خاص بندوں کو علم، فہم، حکمت، بصیرت، سکینت، انس، قرب، محبت وغیرہ سے نوازتا ہے اور ربانی علوم و معارف، ایمانی حقائق اور روحانی مقامات سے سرفراز فرماتا ہے جن سے بندوں کے احوال کی اصلاح ہوتی ہے۔

قرطبی نے اس معاملہ میں لوگوں کے مختلف درجات قائم کیے ہیں:

وہ کہتے ہیں: اے وہ شخص جس کے دل پر پڑے ہوئے تالے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کھول دیا اور خصوصی نور سے اس کے دل کی دنیا روشن کر دی ہے۔ آپ علوم و معارف سے ناآشنا دلوں کے تالوں کو کھولیے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کے دل کو کھول دیا ہے اسی طرح آپ دوسروں کے دلوں کو کھولنے کی ذمہ داری ادا کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا ہے اسی طرح آپ دوسروں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیجئے۔

اگر آپ اس مقام تک نہیں پہنچے ہیں کہ بندوں کے مقفل دلوں کے تالے کھول سکیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ظاہری رزق کے دروازے کھول دیئے ہیں اور کشادگی عطا کر دی ہے تو آپ بندوں پر خرچ کرنے کے لیے اپنے دل کو کھولیے اور سخاوت و فیاضی کا مظاہرہ کرنے والی ذات بن جایئے، اس لیے کہ آپ جو کچھ بھی اور جتنا بھی خرچ کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کے اس لامحدود خزانے ہی سے خرچ ہوگا جس کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور اس کی کنجی کبھی ضائع نہیں ہوتی۔

اور اگر آپ رزق کی کشادگی سے محروم ہیں تو آپ اس بات کی کوشش و فکر کیجیے کہ آپ خیر و بھلائی کے دروازے کو کھولنے اور شر و فساد کے دروازے کو بند کرنے والے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”کچھ لوگ خیر و بھلائی کے دروازے کو کھولنے والے اور شر و فساد کے دروازے کو بند کرنے والے ہیں جبکہ دوسرے کچھ لوگ شر و فساد کے دروازے کو کھولنے والے اور خیر و بھلائی کے دروازے کو

بند کرنے والے ہیں۔ ان کے لیے خوشخبری ہے اللہ نے جن کے ہاتھوں سے خیر کے ظہور کا فیصلہ فرمادیا ہے۔ اور ہلاکت ہے اس کے لیے جس کے ہاتھ میں شر وفساد کی کنجی تھمادی ہے۔"[1]

بے شک جو شخص بھی اس طرح کی احادیث مبارکہ کو سنے گا اس کے دل میں صاحب خیر بننے کا شوق پیدا ہو گا۔ اس کی یہ آرزو ہو گی کی وہ خیر و بھلائی کے دروازے کو کھولنے والا اور شر و فساد کے دروازے کو بند کرنے والا بن جائے۔ اس کی یہ تمنا بھی ہو گی کہ حدیث نبوی میں جس کے لیے خوشخبری وارد ہوئی ہے وہ اس کا مستحق بن جائے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں سے خیر و بھلائی کو جاری کر دے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کے لیے سوال کرتے ہیں۔

آپ کیسے خیر کا ذریعہ بن سکتے ہیں؟[2]

اگر کوئی بندہ واقعتا اور عملا خیر و بھلائی کا ذریعہ اور شر وفساد کا سدباب کرنے والا بننا چاہتا ہے تو اس کی محض تمنا کرنا اور چند اچھی باتوں کو اختیار کر لینا کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے اس معاملے کی حقیقت کا ادراک کرنا ضروری ہے اور اس کے اسباب و مقاصد کو اختیار کرنا ضروری ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ اس کے اندر خیر اور اللہ کے بندوں کو نفع پہنچانے کی شدید چاہت ہو:

اس سے مراد سچی نیت اور عزم مصمم ہے، اس لیے کہ نیت انسان کے عمل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ہر کام میں اصل نیت ہی ہے۔ نیت ہی سے کسی بھی عمل کا آغاز ہوتا ہے اور انسان کو اس کی نیت کے بقدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔ حدیث نبوی کے الفاظ ہیں: "إنما الأعمال بالنيات" (اعمال کا دارومدار

1۔ سنن ابن ماجہ

2۔ اس بحث کی اصل ڈاکٹر عبد الرزاق بدر حفظہ اللہ کا ایک محاضرہ (لکچر) ہے جسے "كيف تكون مفتاحاً للخير" کے عنوان سے ایک کتابچہ کی شکل دی گئی ہے۔ شیخ کے ذکر کردہ بعض نقاط پر میں اپنی رائے بھی پیش کروں گی، ان شاء اللہ۔

نیتوں پر ہے۔) انسان جب اپنی نیت کو خالص کر لیتا ہے، کسی عمل کے لئے اس کا صحیح مقصد متعین کر لیتا ہے اور جب وہ صدق دل کے ساتھ خیر و بھلائی کی چاہت کو اپنا مطمح نظر اور مقصد حیات بنالیتا ہے تو وہ اپنی مراد پالیتا ہے، اسے اس کا مطلوب مل جاتا ہے اور اسے اس کے رب کی طرف سے وہم و گمان سے زیادہ خیر کثیر حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۔ وہ دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے جو الفتاح ہے:

جو شخص خیر کے دروازے کو کھولنے والا اور شر و فساد کا سد باب کرنے والا بننا چاہتا ہے اسے اپنے رب کی طرف رجوع کرنا چاہیے جس کی صفت "الفتاح" ہے تا کہ وہ اس بندے کے لیے خیر کے دروازے کھول دے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لہ مقالید السماوات و الأرض یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر انہ بکل شیء علیم" (الشوریٰ/12) (ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں، جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔)

رب تبارک و تعالیٰ کے یہاں کثرت و قلت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ وہ بندہ کے لیے جتنی چاہے کشادگی پیدا کر دے اور جو خزانے چاہے اس کے لیے کھول دے۔ ہر قسم کی کشادگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ تمام انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جب چاہتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اس کے مقفل دلوں کو کھول دیتا ہے۔ مطرف بن شخیر رحمہ اللہ جو علمائے تابعین میں سے ہیں، کہتے ہیں: اگر میرے دل کو نکال کر میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیا جائے اور ہر قسم کی خیر و بھلائی کو لا کر میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیا جائے تب بھی میں خود سے اس خیر و بھلائی کو اپنے دل میں نہیں ڈال سکتا، جب تک اللہ تعالیٰ نہ اسے

میرے دل میں ڈال دے۔ 1

اللہ تعالیٰ نے اخلاق، رزق، اعمال اور صلاحیتوں کو بندوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ ہم ان سب کے دروازے کو اپنے لئے اسی صورت میں کھول سکتے ہیں جبکہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے روئیں، گڑگڑائیں اور اس کے لئے خوب دعائیں مانگیں جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ہے: ہر قسم کے خیر و بھلائی کی اصل یہ ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی توفیق حاصل ہو اور اس کی کنجی دعا ہے۔ نیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ مکرم و معزز کوئی چیز نہیں ہے۔" 2

آپ اپنے رب کے سامنے اس کے لئے دست سوال دراز کرنے کے محتاج ہیں کہ وہ آپ کے لئے نفع بخش علم اور نیک اعمال کا دروازہ کھول دے، آپ کے سینہ کو روشن و کشادہ کر دے جس کے ذریعہ آپ حق کو پہچانیں اور اسے قبول کریں، آپ کا ہاتھ پکڑ کے خیر کی طرف آپ کی رہنمائی کرے، ہر طرح سے آپ کی اعانت و مدد کرے، آپ کو طاقت و قوت عطا کرے اور آپ کو حسن اخلاق کی دولت سے نواز دے۔ آپ اچھے اخلاق کے بغیر لوگوں کے لئے خیر کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ اس اخلاق کے تعلق بعض سلف کا قول ہے: یہ اخلاق بھی اللہ تعالیٰ کی نوازش اور اس کے انعامات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اسے اس میں سے ایک حصہ عطا فرماتا ہے۔ 3 پھر جب آپ اپنے رب سے اس دروازہ کو کھولنے کی درخواست کریں تو اس کے دروازہ پر رک کر ایک عرصہ تک انتظار بھی کریں اور اس معاملہ میں جلد بازی سے بچیں، کیونکہ باصرار عرض پرداز ہونے والا ہی اس کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کے لئے دروازہ کھول دیا جائے۔

3۔ نفع بخش علم:

جو شخص خیر و بھلائی کا ذریعہ بننے اور شر و فساد کا سدباب کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اسے نفع بخش علم کا طالب و

1۔ حلیۃ الأولیاء (2/201) سیر أعلام النبلاء (4/190) بحوالہ "کیف تکون مفتاحاً للخیر"

2۔ امام احمد نے اپنی مسند میں اسے نقل کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

3۔ کیف تکون مفتاحاً للخیر، ص 11

متلاشی ہونا چاہیے، اس لئے کہ ہر منافع بخش چیز کے حصول کا راستہ یہی ہے کہ اسے سیکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة أنا و من اتبعني و سبحان الله و ما أنا من المشركين" (یوسف/108) (ترجمہ: آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے، میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں نہیں)

اس آیت کریمہ میں لفظ "البصيرة" سے مراد نفع بخش علم ہے۔ جس کے پاس علم نافع نہ ہو وہ کیسے حق و باطل، ہدایت و گمراہی اور سنت و بدعت کے درمیان فرق کرے گا؟

دین کا علم رکھنے والے کی حیثیت نور کی ہوتی ہے۔ اس نور سے وہ خود بھی مستفید ہوتا ہے، اپنے آس پاس کے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے اور جو اس کی بات سنتا ہے اسے بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اس بلیغ تشبیہ پر غور کیجئے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں استعمال کیا ہے: "إن فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب" [1] (عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسے کہ چودھویں رات میں چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے۔)

ستارہ کے ارد گرد روشنی کا ایک ہالہ ہوتا ہے۔ یہ عابد کے نفع بخش ہونے کی مثال ہے۔ وہ خود بھی مستفید ہوتا ہے اور اپنے چند ساتھیوں کو بھی نفع پہنچاتا ہے، لیکن اس کی نفع رسانی کا عمل دوسروں کو عبادت و ریاضت پر آمادہ کرنے سے قاصر ہوتا ہے، لیکن عالم کالی سیاہ رات میں چاند کی طرح ہوتا ہے جس کی روشنی چاروں طرف بہت دور تک پھیلتی ہے۔ چاند کی روشنی صحراؤں، پہاڑوں، بلندیوں، میدانوں اور سمندروں سب کو روشن کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم کا دائرہ اثر عابد کے مقابلہ بہت بڑا ہے۔ عالم سے اس کے گھر والے، پڑوسی، اہل مسجد سب مستفید ہوتے ہیں۔ وہ سفر و حضر ہر حالت میں نفع رسانی کا کام کرتا ہے، یہاں

---

[1] امام احمد اور اصحاب سنن نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ دیکھئے صحیح الجامع (5/302)

تک کہ اس کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اس کا فیضان علم و آگہی جاری رہتا ہے۔ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا وہ عمل باقی رہتا ہے جو اس نے کسی کو سکھایا ہوتا ہے یا جسے اس نے پھیلایا ہوتا ہے۔ اس کا جسم تو مر کر پیوند خاک ہو جاتا ہے لیکن وہ اپنے پیچھے اپنا علم چھوڑ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے علماء سب سے زیادہ خیر و بھلائی کے دروازے کو کھولنے والے اور شر و فساد کا سد باب کرنے والے ہیں۔ ان کے نامۂ اعمال میں مستفید ہونے والوں کی ایک لمبی فہرست ہوتی ہے۔ کسی نے ان سے فائدہ اٹھایا، کسی نے ان کی وجہ سے خود کو تبدیل کیا، کسی نے ان سے اچھا اثر قبول کیا، کسی نے ان کے کہنے پر گناہوں کو چھوڑ دیا اور کسی نے ان کی رہنمائی کی وجہ سے رب تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کر لی۔ یہ کئی عمروں کی برکت ہے جو انہیں حاصل ہوتی ہے، گویا کہ اس مصلح وقت کے لئے زمانہ کی بساط لپیٹ دی گئی ہو۔ ان کے حصہ میں خود اس کا اجر، اس سے استفادہ کرنے والوں کا اجر اور اس سے علم سیکھنے والوں کا اجر سب ایک ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "إن الله و ملائكته و أهل السماوات و الأرض حتى النملة فى جحرها و حتى الحوت ليصلون على معلم الناس الخير" [1] (اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، آسمانوں اور زمین کی مخلوق، یہاں چیونٹیاں اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں لوگوں کو خیر و بھلائی کی تعلیم دینے والے کے حق میں رحمت کی دعا کرتی ہیں۔)

4۔ اسلام کے فرائض کا اہتمام جن میں سر فہرست نماز ہے:

نماز ہر خیر و بھلائی کی کنجی ہے۔ بندہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خیر کی توفیق، علم و عمل، روزی کی کشادگی اور اس کی خاص مدد و اعانت کے لئے دست سوال دراز کر سکتا ہے۔ صحیح بخاری میں منقول ہے کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور آپ نے "لا إله إلّا الله" کہا، ایک روایت میں ہے کہ

---

[1] امام ترمذی نے اسے نقل کیا ہے۔ دیکھئے صحیح الجامع (1838)

آپ نے "سبحان اللہ" کہا، اس کے بعد آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس رات میں کون سے فتنے نازل کئے ہیں؟ اور اس رات کون سے خزانے کھول دیئے ہیں؟

محترم قارئین! غور کیجئے، فتنے نازل ہوئے اور خیر و بھلائی کے خزانوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔ پھر اس پر غور کیجئے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کے بعد کس چیز کی طرف رہنمائی کی؟ آپ نے فرمایا: ان حجرے والیوں کو کون جگائے گا کہ یہ نماز پڑھ لیں۔" آپ نے نماز کی طرف رہنمائی فرمائی۔

آپ خیر و بھلائی کے دروازے کو کھولنے والے اور شر و فساد کا سد باب کرنے والے بننا چاہتے ہیں تو اپنی نمازوں کی فکر کیجئے۔ اگر آپ اس میں کامیاب ہو گئے تو آپ کے سارے اعمال فوز و فلاح سے ہمکنار ہوں گے اور اس کی وجہ سے آپ اپنے لئے بھی خیر کا دروازہ کھولیں گے اور دوسروں کو بھی اس سے فائدہ پہنچائیں گے۔

اور جب آپ اپنی نمازوں میں کمی و کوتاہی کریں گے اور اسے ضائع کر دیں گے تو خیر و بھلائی کے دروازے آپ پر بند ہو جائیں گے اور آپ نقصان و خسارہ کی آزمائش سے دوچار ہوں گے۔ پھر نماز آپ کو بد دعا دے گی کہ اللہ تم کو ضائع کر دے جس طرح تم نے مجھے ضائع کر دیا۔

نماز روشنی ہے۔[1] اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے۔ نماز نمازی کے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہ نور ہے، لیکن ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہیں اس نور کا بہت معمولی حصہ ہی حاصل ہو پاتا ہے، اس لئے کہ ہم نماز ادا کرنے والے بن کر رہ گئے ہیں۔ ہم نماز کو قائم کرنے والے نہیں بن سکے ہیں جبکہ قرآن مجید میں ہر جگہ اقامت صلاۃ (نماز قائم کرنے) کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز قائم کرنا، جسمانی حرکات کے ذریعہ نماز کی ادائیگی کے علاوہ ایک الگ چیز ہے۔ قیام، رکوع، سجود اور تلاوت یہ نماز کی

---

[1] امام مسلم وغیرہ نے اسے نقل کیا ہے۔ دیکھئے صحیح الترغیب والترھیب (1/277)

ادائیگی کا عمل ہے اور نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز حضور قلب اور خشوع کے ساتھ ادا کی جائے تاکہ اس نور میں سے وافر حصہ آپ کو حاصل ہو۔

جس کا سر نماز کی ادائیگی کی وجہ سے بوجھل ہوتا ہو وہ کیسے اس کی امید کر سکتا ہے کہ اس کے لئے خیر کے دروازے کھول دیئے جائیں گے؟ خاص طور پر فجر کی نماز جو دن کی شروعات، اس کی اساس اور اس کا نقطۂ آغاز ہے، یہ روزی کے نازل ہونے اور خیر و بھلائی و برکتوں کے دروازے کھلنے کا وقت ہے۔ جو شخص فجر کی نماز سے محروم ہو گیا، خیر کے سارے دروازے اس کے لئے بند ہو گئے اور رزق کے دروازے اس کے لئے بند کر دیئے گئے۔

جب فجر کی دو رکعات سنت کو "خير من الدنيا و ما فيها" 1 (دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے بہتر) کہا گیا ہے جیسا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ہے تو آپ اندازہ لگائیے کہ فجر کی دو رکعات فرض نماز کی خیر و برکت کا کیا عالم ہو گا اور اس کے ذریعہ بندہ کو کتنی خیر و برکت، فتح و کامرانی اور توفیق حاصل ہو گی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے صبح کی نماز ادا کر لی وہ اللہ کی ذمہ داری میں چلا گیا، اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔" 2

جو شخص چاہتا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے نفع رسانی کا ذریعہ بنے اور انہیں زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نمازوں کے اہتمام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرے اور اس کے لئے وہی زاد راہ اختیار کرے جو انبیائے کرام کا زاد راہ ہے۔ یعنی "و استعينوا بالصبر و الصلاة" (صبر اور نماز کے

1۔ امام مسلم و ترمذی نے اسے نقل کیا ہے، بحوالہ صحیح الترغیب والترھیب (1/379)

2۔ طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الأوسط میں اسے نقل کیا ہے، بحوالہ صحیح الترغیب والترھیب (1/314)

ذریعہ مدد چاہو) ایسے شخص کو خاص طور سے قیام اللیل (تہجد کی نماز) کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ وہ زاد راہ ہے جس میں ثابت قدمی، حصول قوت اور استقامت و استمرار کی ضمانت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یا أیها المزمل قم اللیل إلا قلیلا نصفه أو انقص منه قلیلا أو زد علیه و رتّل القرآن ترتیلا" (المزمل / 1-4)(ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے، رات کے وقت نماز میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم، آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کرلے، یا اس پر بڑھادے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (صاف) پڑھا کر)

5۔ گناہوں سے دوری اختیار کرکے مجاہدۂ نفس:

اگر آپ خود پر برائی اور گناہ کے دروازہ کو بند نہیں کرسکتے تو آپ دوسروں پر اس دروازہ کو بدرجہ اولیٰ بند نہیں کرپائیں گے اور آپ کسی حال میں خیر و بھلائی کے دروازہ کو کھولنے والا اور شر و فساد کا سدباب کرنے والا نہیں بن پائیں گے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان کی ہے، اس صراط (راستہ) کے دونوں جانب دروازے ہیں، ان دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں، صراط کے شروع میں ایک پکارنے والا پکار رہا ہے: اے اللہ کے بندو! تم اس صراط پر سیدھے چلتے رہو اور دائیں بائیں نہ مڑو، صراط کے بیچ میں اور ایک روایت کے الفاظ کے مطابق صراط کے اوپر ایک آواز لگانے والا آواز لگا رہا ہے: اے اللہ کے بندے! کسی دروازہ کو مت کھولو، اگر تم اسے کھولو گے تو اس کے اندر داخل ہو جاؤ گے۔ پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: صراط سے مراد سلام ہے، صراط کے دونوں جانب چہار دیواری اللہ کے حدود ہیں، دروازے جن پر پردے لٹک رہے ہیں اللہ کے حرام کردہ امور ہیں۔ راستہ کے شروع میں پکارنے والے سے مراد اللہ کی کتاب ہے۔ راستہ کے بیچ میں یا راستہ کے اوپر سے پکارنے والے سے مراد ہر مسلمان کے دل میں اللہ کا مقرر

کردہ واعظ ہے۔ [1]

اس حدیث نبوی کی کچھ مزید وضاحت:

جو شخص یہ چاہت رکھتا ہے کہ وہ خیر و بھلائی کے دروازے کو کھولے اور شر و فساد کا سد باب کرے اور جنت تک اس کی رسائی ہو جائے اسے اس صراط مستقیم پر چلنا چاہیے جس کا ذکر حدیث نبوی میں آیا ہے۔ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ اس راستہ کے دونوں کنارے دائیں اور بائیں بہت سے دروازے ہیں، ان دروازوں پر صرف پردے لٹک رہے ہیں، ان دروازوں پر نہ تو تالے پڑے ہیں اور نہ ان کی کنجیاں ہیں، ان پر صرف پردے پڑے ہوئے ہیں، ان دروازوں میں داخل ہونے کے لئے جہد و مشقت اور طویل زور آزمائی کی بھی ضرورت نہیں ہے، کوئی شخص صرف پردے کو ہٹا کر ان دروازوں میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ دروازے جن پر پردے لٹک رہے ہیں، ان سے فعل حرام، شر و فساد و معاصی اور فتنوں کے دروازے مراد ہیں۔ اس طرح کے دروازے صراط مستقیم کے دونوں جانب بڑی تعداد میں موجود ہیں، ان دروازوں کے اندر داخل ہونا نہایت آسان ہے۔ آپ سے ذرا سی تساہلی اور چوک ہوئی تو آپ آسانی کے ساتھ ان میں سے کسی دروازہ کے پردہ کو ہٹا کر اس کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ اس طرح سب سے پہلے آپ اپنے لئے برائی کا دروازہ کھولیں گے۔ اور یہ نفس انسانی کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی حرام کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے اور اس میں پوری طرح ملوث ہو جاتا ہے تو اس گناہ میں اکیلے پڑا رہنا اسے اچھا نہیں لگتا، بلکہ وہ دوسروں کو بھی اس گناہ کی طرف بلاتا ہے۔ اس طرح اس حرام کے ارتکاب کا دوسرا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کے لئے بھی اس برائی کے دروازے کو کھول دیتا ہے۔ اس طرح انسان حرام کا ارتکاب کرنے کے ساتھ اس کی طرف دوسروں کو بلانے والا بھی بن جاتا ہے، العیاذ باللہ۔ اور یہی وہ حالت ہے جس میں انسان برائی

---

[1] مسند امام احمد

و گناہ کے دروازہ کو کھولنے والا اور خیر و بھلائی کے دروازہ کو بند کرنے والا بن کر رہ جاتا ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ کا قول ہے: خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جس کے مرنے کے ساتھ ہی اس کے گناہ بھی مر گئے اور ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جس کے مر جانے کے بعد بھی اس کے گناہ سو دو سو سال تک باقی رہتے ہیں، اس کی وجہ سے اسے قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اور جب تک وہ گناہ مٹ نہ جائے اس کا مؤاخذہ ہوتا رہتا ہے۔ [1]

6۔ خیر و بھلائی کی طرف سبقت اور اہل خیر کی مصاحبت اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے خیر کے جو دروازے کھول دیئے اسے ہرگز حقیر نہ سمجھیں:

انسان اس وقت تک خیر و بھلائی کے دروازے کھولنے والا اور شر و فساد کا سد باب کرنے والا نہیں بن سکتا ہے جب تک وہ بذات خود خیر کے کاموں کی طرف متوجہ نہ ہو اور خیر کی طرف سبقت کرنے کا جذبہ اس کے اندر نہ پایا جائے۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے "و ما أريد أن أخالفكم إلى ما أنهاكم عنه" کہہ کر اسی جذبہ کا اظہار کیا تھا، یعنی جس چیز سے میں تمہیں روکتا ہوں اسے خود انجام دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا ہوں۔ اس کے لئے انسان کو اہل خیر اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس سے خیر کے لئے اس کے عزائم کو قوت حاصل ہو گی، اس کی ہمت بلند ہو گی، خیر کی راہ اختیار کرنے میں اسے مدد ملے گی اور اس کی وجہ سے خیر پر استقامت نصیب ہو گی۔ کہا جاتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی تقلید میں پرندہ کے جھنڈ کی مانند ہوتے ہیں۔ انسان بظاہر اکڑ کے چلتا ہے لیکن طبیعت و مزاج سے دوسروں کی نقالی کرنے کی لت ختم نہیں ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اچھے ساتھی اور برے ساتھی کی مثال مشک رکھنے والے انسان اور بھٹی پھونکنے والے آدمی کی ہے، مشک رکھنے والے انسان سے تم مشک

---

[1] کتاب "کیف تطیل عمرک الانتاجی" سے منقول

خرید سکتے ہو یا اس کے پاس بیٹھنے سے تم کو اچھی خوشبو حاصل ہو گی، جبکہ بھٹی پھونکنے والا آدمی یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا یا پھر اس کے پاس بیٹھ کر تم کو خبیث بو ہی حاصل ہو گی۔"[1]

خیر کے دروازے بہت سے ہیں اور مختلف نوعیت کے ہیں۔ کسی کے لئے خیر کا کوئی دروازہ کھول دیا گیا ہے تو اسے لازم پکڑ لینا چاہیے جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ قول ہے: جسے کسی چیز میں خیر و برکت دی جائے، وہ اسے لازم پکڑ لے۔[2]

آپ حاصل ہونے والے خیر و بھلائی کو اپنے لئے لازم کر لیں، اس کی حفاظت کریں اور اس پر مداومت برتیں، ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسری چیز آپ کے اور اس خیر و بھلائی کے درمیان حائل ہو جائے۔ جو شخص نعمت کی قدر نہیں کرتا ہے وہ بالآخر اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ آپ خیر و بھلائی کے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی حقیر نہ سمجھیں، اس لئے کہ خیر کا ایک ذرہ بھی آپ کے لئے نفع بخش ثابت ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے آپ کے حق میں باعث نفع بنا سکتا ہے۔ اسی معمولی خیر سے آپ کے لئے خیر و بھلائی کے دوسرے دروازے کھل سکتے ہیں جو کمیت و کیفیت دونوں اعتبار سے حاصل شدہ خیر سے بڑھ کر ہو سکتا ہے۔ نیکیوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو آواز دیتی ہے۔ اللہ عز و جل کا ارشاد ہے: "هل جزاء الإحسان إلّا الإحسان" (الرحمٰن/60)(ترجمہ: احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "انسان جب بھی صدقہ یا صلہ رحمی کے ذریعہ عطیہ کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال و اسباب کی کثرت میں اضافہ فرماتا ہے۔"[3]

آپ جو بھی نیک عمل کریں اور خیر و بھلائی کا کوئی کام جب بھی آپ کے ہاتھوں سے انجام پائے تو اللہ

---

1. صحیح بخاری (5534) صحیح مسلم (2628)
2. ڈاکٹر سلمان عودہ کی کتاب "شکراً لکم أیھا الأعداء" سے ماخوذ
3. السلسلۃ الصحیحۃ (2231)

تعالیٰ کے اس ارشاد کو اپنے پیش نظر رکھیں "و لا تمنن تستکثر" (المدثر/6)(ترجمہ: اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر)

نیک عمل کی قبولیت کی نشانی یہ ہے کہ انسان اسے انجام دے کر بھول جائے اور یہ سمجھے کہ اس نے ایک چھوٹی سی نیکی کی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کو یاد رکھیں کہ اس نے آپ کو چنا، آپ کا انتخاب کیا اور آپ کے ہاتھوں اس خیر کو جاری کیا۔ آپ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت بھی کافی ہونی چاہیے کہ "جس نے کسی مسلمان کی دنیا کی ایک مصیبت کو دور کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کر دے گا۔ جس نے دنیا میں کسی تنگ دست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے گا۔ جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔ 1

محترم قارئین! آپ ذرا مظلومین اور دبے کچلے لوگوں کے ساتھ کھڑے ہونے کے اس اجر عظیم کو بھی ملاحظہ کیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو شخص کسی مظلوم کے ساتھ چل کر گیا تاکہ اسے اس کا حق دلوادے، اللہ تعالیٰ پل صراط پر اس کے قدموں کو اس دن جمادے گا جس دن وہاں لوگوں کے قدم لڑکھڑا رہے ہوں گے۔ 2

اللہ اکبر، مظلوم و مقہور طبقے کا ساتھ دینے کا کتنا بڑا اجر و ثواب ہے۔ آپ نیکی کر کے کسی کے شکریہ ادا کرنے کا انتظار کبھی نہ کریں، اس لئے کہ جس نے اپنی نیکی کا بدلہ لوگوں سے طلب کیا اس نے اللہ تعالیٰ کے

---

1 صحیح مسلم وسنن ابی داؤد، شیخ البانی نے اسے صحیح الترغیب والترھیب (2/706) میں حسن قرار دیا ہے۔

2 ابن ابی الدینا نے اسے نقل کیا ہے اور شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے، صحیح الترغیب والترھیب (2/709)

پاس اپنے معاوضہ کو ضائع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا اجر زیادہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" و ما تقدّموا لأنفسكم من خير تجدوه عند الله هو خيراً و أعظم أجرا و استغفروا الله إن الله غفور رحيم " (المزمل /20)(ترجمہ: اور جو نیکی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے یہاں بہتر سے بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔)

اس بحث کے تعلق سے آخری وصیت

اے وہ شخص جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خیر کے دروازے کھول دیئے، بھلائی کی طرف اس کی رہنمائی کی اور لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کی اسے توفیق بخشی، خیر کے ان کاموں میں حصہ لینے سے کبھی زچ نہ ہو، نہ اذیت و تکلیف کا اظہار کرو اور نہ اس کار خیر سے اپنا ہاتھ روکنے کی کوشش کرو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:" اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور اس وقت تک اپنی نعمتیں ان کے لئے باقی رکھتا ہے جب تک وہ لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں لگے رہتے ہیں اور جب تک کہ ضرورتمند انہیں اکتاہٹ میں مبتلا نہ کر دیں، جب وہ صاحب خیر ضرورتمندوں سے زچ ہونے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں دوسرے بندہ کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ضرورتیں جس کے سپرد کر دیں اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کرنے سے راہ فرار اختیار کیا تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو کسی دوسرے کے حوالہ کر دے گا۔

اخیر میں میں اللہ تعالیٰ سے اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عُلی کے واسطہ سے دست بدعا ہوں کہ وہ ہم

---

[1] طبرانی کی نقل کردہ روایت ہے، شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے صحیح الترغیب والترھیب (2/707)

سب کے لئے اپنے وسیع فضل و کرم اور عظیم عطا و بخشش کے دروازے کھول دے، ہمیں خیر کے دروازے کو کھولنے والا اور شر کا سد باب کرنے والا بنائے اور جہاں کہیں بھی ہوں ہمیں بابرکت بنائے۔

اللہ تعالیٰ کا نام "الصمد"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قل هو الله أحد الله الصمد لم يلد و لم يولد و لم يكن له كفواً أحد" (الإخلاص / 1-4) (ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔)

☆ الصمد: اللہ تعالیٰ کا یہ نام قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ سورہ اخلاص میں ذکر ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس نام پر آپ غور کریں تو اس میں آخری درجہ کی ہیبت، حروف کی طاقت، معنی کی بلندی اور خاص قسم کے جاہ و جلال کو آپ بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ [1]

☆ الصمد: کے معنی ہیں وہ سردار جس کی سرداری ہر اعتبار سے مکمل ہو، اسی لئے عرب اپنے اشراف اور بلند پایہ شخصیات کو اسی نام سے موسوم کرتے تھے، کیونکہ ان کے اندر پسندیدہ صفات بکثرت پائی جاتی تھیں۔

☆ الصمد: سے مراد وہ ذات ہے جو خیر و بھلائی کا منبع اور اوصاف حمیدہ کا مجموعہ ہے، اسی وجہ سے لوگوں کے دل چاہت اور خوف کے ملے جلے احساس کے ساتھ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

اسی لئے بشمول عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جمہور سلف کا قول ہے کہ الصمد سے مراد وہ سردار ہے جس کی سرداری ہر اعتبار سے مکمل ہو۔ وہ ایسا عالم ہے جس کا علم مکمل ہے، وہ ایسا قادر مطلق ہے جس کی قدرت مکمل ہے، وہ ایسا حکیم و دانا ہے جس کی حکمت اور اس کا حکم مکمل ہے، وہ ایسا رحیم ہے جس کی رحمت مکمل ہے اور وہ ایسا سخی و فیاض ہے جس کی سخاوت و فیاضی مکمل ہے۔ [2]

---

1. دیکھئے شیخ علی الفیفی کی کتاب "لأنک اللہ" ص (13)
2. المرتبع الأنسی ص (366)

دنیا کی تمام مخلوقات اپنی ضرورتوں کے لئے اسی کی طرف رجوع کرتی ہیں، سمندر میں مچھلی اسی کی طرف رجوع کرتی ہے، آسمان میں پرندہ اسی کا قصد کرتا ہے، شجر و حجر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں، پانی حکم بجا لانے کے لئے اسی کا رُخ کرتا ہے، یہاں تک کہ چوپائے اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے اسی کی طرف دیکھتے ہیں۔

ایک عابد کی آنکھوں سے اس وقت آنسو نکل پڑے جب انہوں نے ایک چوپائے کو دیکھا، ولادت کے وقت اسے مشکل درپیش تھی، اس کا بچہ اس کے پیٹ میں پھنس گیا تھا، یہ بے زبان جانور نہ تو شکایت کے بول اپنی زبان سے نکال سکتا تھا، نہ کسی کو اپنے درد و تکلیف کا حال بتا سکتا تھا، نہ زبان سے اپنی تکلیف کا اظہار کر سکتا تھا۔ ایسے درد و الم کی کیفیت میں اس چوپائے نے آسمان کی طرف اپنی نگاہیں اٹھائیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس طرح وہ چوپائے نے اس سختی و تکلیف کے عالم میں اپنے رب کی طرف رجوع کیا۔ اس منظر کو دیکھ اس عابد کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے اور انہوں نے روتے ہوئے یہ بات کہی: چوپائے تک اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ایک ہم انسان ہیں جنہیں اس کی توفیق حاصل نہیں ہوتی ہے۔ [1]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے دیہاتی حصین سے دریافت فرمایا: اے حصین! تم کتنوں کی پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: چھ سات کی زمین میں اور ایک کی آسمان میں۔ آپ نے دریافت فرمایا: تم کس سے خوف کھاتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اس سے جو آسمان میں ہے۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا: مصیبت کے وقت کس سے امید اور لو لگاتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اس سے جو آسمان میں ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم ان معبودوں کو چھوڑ دو جو زمین میں ہیں اور صرف

---

[1] 1425ھ میں جدہ میں منعقد ابن باز رحمہ اللہ کے نام سے موسوم علمی مذاکرہ میں اللہ پاک کے اسمائے حسنیٰ کی تشریح کرتے ہوئے شیخ خلف عنزی نے یہ باتیں بیان کی تھیں۔

اس کی عبادت کرو جو آسمان میں ہے۔ اس کے بعد حصین مسلمان ہو گئے۔

اس لئے کہ امید اور خوف کی حالت میں آپ جس ذات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جس سے لو لگاتے ہیں صرف وہی اکیلی ذات آپ کے سجدہ کی مستحق ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اس سے لو لگانے کی کیفیت

1۔ اس عبودیت صمدیت کی بنیادی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی ہر سانس میں اللہ پاک کی حی و قیوم ذات کا محتاج بنا رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يا أيها الناس أنتم الفقراء إلى الله و الله هو الغنى الحميد" (فاطر/15)(ترجمہ: اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے)

صرف اللہ پاک کا محتاج ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک کو اپنے دل سے نکال دیں، اس لئے کہ اللہ پاک کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ مخلوق ہے اور مخلوقات کی صفات میں سے جو چیزیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں وہ ہیں کمزوری ولاچاری، عاجزی و بے بسی، نقص و عیب اور زوال و اکتاہٹ۔ جس کی یہ صفات ہوں اس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت لَو لگانا دانائی نہیں ہو سکتی۔

اپنے رب کی صفات کا گہرا علم و شعور آپ کے اندر ہونا چاہیے۔ آپ کو اپنے رب کی صفات کا جتنا علم و شعور ہو گا اتنا زیادہ آپ اس کے عبادت گزار ہوں گے، اتنا زیادہ اس کے سامنے اپنی محتاجی و ذلت کا اظہار کرنے والے ہوں گے اور اتنا زیادہ آپ اس کے مطیع و فرمانبردار ہوں گے۔ جس نے اپنے رب کو غنی مطلق کے طور پر پہچان لیا وہ اپنے کو محتاج مطلق کے طور پر پہچان لے گا، جس نے اپنے رب کی قدرت کاملہ کا تصور کر لیا اس کے لئے اپنی مکمل عاجزی و بے بسی کا تصور آسان ہو گا، جس نے اپنے رب کی عزت و بلندی

---

[1] کتاب "لأنک اللہ" ص(16)

کا تصور کر لیا وہ اپنے کو ہر حال میں غایت درجہ مسکین و حقیر سمجھے گا۔

عبودیت کے اعتبار سے کامل ترین وہی ہے جسے اپنے رب کے سامنے اپنے فقر و محتاجی اور ضرور تمندی و عدم استغناء کا ہر وقت احساس و استحضار ہے اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس شعور و آگہی سے بیگانہ و غافل نہیں ہوتا ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے یہ دعا بھی مانگتے تھے: "أصلح لی شأنی کلّہ و لا تکلنی إلی نفسی طرفۃ عین" [1] (اے اللہ! میری حالتوں کی اصلاح کر دے اور تو مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔)

ایک لمحہ کے لئے بھی آپ اللہ عزوجل سے بے نیاز و لاتعلق نہیں ہو سکتے۔ جو چیز بھی آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیجئے اور اسی سے لو لگایئے۔ آپ ہر گز ہر گز ایسا نہ کریں کہ اپنی کسی ضرورت کے لئے کسی کو قبلہ و کعبہ بنالیں یا دل سے کسی کی طرف متوجہ ہو جائیں یا کسی پر توکل کر بیٹھیں۔ آپ صرف ایک رب واحد کو اپنا مطلوب و مقصود اور اپنی غایت و منزل بنائیں اور اپنے دل کو صرف اسی کی محبت، توجہ اور التفات سے بھر لیں۔

آپ اس حقیقت کو اچھی طرح جان لیں کہ دل کے جس حصہ میں کسی مخلوق کو جگہ دی جاتی ہے تو اس کی وجہ سے تنگی و بے آبروئی ہی ہاتھ آتی ہے۔ بندہ جس چیز پر بھروسہ کر کے رب سے بے نیاز ہونے کی کوشش کرتا ہے اسی چیز کے ذریعہ وہ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ اور جب بھی بندہ کسی چیز کو پا کر رفعت و بلندی کا مظاہرہ کرتا ہے تو اسی کی آگ میں تپایا جاتا ہے۔

2۔ اس کا موازنہ کیجئے کہ اللہ اور مخلوق میں سے کون آپ سے زیادہ قریب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک آپ سے دور ہی ہے چاہے وہ بظاہر جتنا بھی قریب ہو۔ جب آپ اللہ اور کسی

---

[1] اسے امام بخاری نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں نقل کیا ہے۔

مخلوق کی قربت کا موازنہ کریں گے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے آپ کے نفس سے بھی زیادہ قریب ہے اور وہ آپ کی شہ رگ سے بھی زیادہ آپ سے قریب ہے۔ اللہ عز و جل نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حدیث رسول میں اپنے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ وہ اپنے بندوں سے بہت قریب ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: "و إذا سألك عبادى عنى فإنى قريب أجيب دعوة الداع إذا دعان فليستجيبوا لى و ليؤمنوا بى لعلهم يرشدون" (البقرة/186)(ترجمہ: جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں، اس لئے لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔)

صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ وہ لوگ ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور تکبیر کہتے ہوئے اپنی آواز بلند کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! ٹھہرو، تم کسی بہرے اور غیر موجود کو نہیں پکار رہے ہو، تم ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سننے والی ہے اور قریب ہے، تم جسے پکار رہے ہو وہ تمہاری سواری کے جانور کی گردن سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہر شخص کے بالکل قریب ہے۔ وہ پکارنے والوں کی عمومی پکار کو بھی سنتا ہے اور اسے قبول کرتا ہے، چاہے وہ جو کوئی بھی ہو، جہاں بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو۔ اور اس کی شریعت اور احکام پر چلنے والے اس کے جو خاص بندے ہیں ان کی خصوصی دعاؤں کو بھی قبول کرتا ہے۔ وہ ان پریشان حالوں کی بھی سنتا ہے اور ان کی ضرورت پوری کرتا ہے مخلوقات سے جن کی امیدیں بالکل ختم ہو چکی ہوں اور

چاہت، امید اور خوف کے ساتھ انہوں نے اپنے رب سے تعلق مضبوط کر لیا ہو۔ 1 ان حقائق سے آگاہ ہو جانے کے بعد ایک بڑا سوال یہ ہے کہ ہم اس کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے جو ہمارے بے حد قریب ہے؟

3۔ ایک ہے مخلوق سے مانگنا اور ایک ہے خالق سے مانگنا، دونوں کے درمیان موازنہ کیجئے۔

مخلوق میں سے کوئی انسان چاہے جتنا سخی و شریف اور احسان کرنے والا ہو، اس کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور اس سے مانگنا ایک مشکل کام ہے، مانگنے والے کے نفس پر اس کی وجہ سے بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ اگر بکثرت اس سے کوئی چیز مانگی جائے اور اس کے لئے اصرار کیا جائے تو اس کی وجہ سے دینے والے کے دل میں اکتاہٹ و بے زاری پیدا ہو سکتی ہے۔ دوسری طرف خالق کا معاملہ یہ ہے کہ آپ اس کے سامنے جتنا زیادہ اپنے دامن کو پھیلائیں گے، جتنی کثرت سے اس کے سامنے دست سوال دراز کریں گے اور اپنے طلب و سوال کے لئے جتنا زیادہ اس سے اصرار کریں گے اتنا زیادہ وہ آپ سے خوش ہو گا اور آپ کو اپنی محبوبیت سے سرفراز کر دے گا۔ اللہ پاک دعا میں اصرار و الحاح کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

لا تسأل بنی آدم حاجۃ و سل الذی أبوابہ لا تحجب

اللہ یغضب إن ترکت سؤالہ و بنی آدم حین یسأل یغضب

(بنی آدم کے سامنے کسی ضرورت کے لئے ہاتھ نہ پھیلاؤ، اس ذات کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ جس کے دروازے پر کوئی روک اور پردہ نہیں ہے۔ اگر تم نے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانا چھوڑ دیا تو وہ ناراض ہوتا ہے اور بنی آدم کا حال یہ ہے کہ اس سے مانگو تو وہ غصہ ہوتا ہے۔)

اللہ عزوجل کے سامنے دست سوال دراز کرنے والے اور مانگنے میں اصرار کرنے والے سے اس کی

1۔ دیکھئے المنہج الأسمی (2/302) میں "الکریم" کی تفسیر

محبت کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ جو اس کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے اور اس سے کسی چیز کے لئے سوال کرتا ہے تو اسے خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے اللہ پاک کو حیا آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ حیا کرنے والا اور کریم وفیاض ہے۔ کوئی بندہ جب اس کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے تو اسے خالی ہاتھ واپس کرتے ہوئے اللہ پاک کو حیا آتی ہے۔"[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: انسانی فہم بندہ سے رب تعالیٰ کے حیا کرنے کی نوعیت کا ادراک نہیں کر سکتے اور انسانی عقلیں اس کی کیفیت کو بیان نہیں کر سکتی ہیں، یہ حیا اللہ پاک کے جود و کرم اور بر و احسان سے تعلق رکھتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس بات سے حیا آتی ہے کہ کوئی بندہ تواضع وانکساری کے ساتھ اس کے سامنے دست سوال دراز کرے اور وہ اسے نامراد وخالی ہاتھ واپس کر دے۔ اس کے بعد بھی اگر ہم اور آپ اللہ کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں اور اس سے اپنی ضرورتوں کے لئے سوال نہ کریں تو یہ کیسی بات ہے؟

4۔ اس نکتہ پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بے نیاز ہے، اس کے باوجود وہ ان پر احسان کرتا ہے، ان کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرتا ہے۔ یہ اللہ پاک کی بے نیازی اور کرم ورحمت کی انتہاء ہے۔

بندے ایک دوسرے کے ساتھ احسان و بھلائی کا معاملہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ایک دوسرے کے ساتھ مفادات وابستہ ہوتے ہیں اور دیر سویر انہیں ایک دوسرے سے فوائد حاصل ہونے کی امید ہوتی ہے۔

جب کوئی مخلوق آپ کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتی ہے تو پہلے مرحلہ میں اس کا مقصد آپ کو فائدہ

---

[1] صحیح الترغیب والترھیب، مؤلفہ: شیخ محمد ناصر الدین البانی (2/135)

پہنچانا نہیں ہوتا ہے، بلکہ شروع میں اس کا مقصد آپ سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے، جبکہ رب تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ شان بے نیازی کے ساتھ صرف آپ کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے۔ آپ سے فائدہ اٹھانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا، نہ اسے اس کی ضرورت ہے۔ اور اللہ پاک کی طرف سے نفع رسانی کا جو کام ہوتا ہے اس میں مضرت کا کوئی پہلو نہیں ہوتا ہے۔ دوسری طرف جب کوئی مخلوق آپ کو فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرتی ہے اس سے آپ کو بسا اوقات نقصان پہنچنے کا بھی اندیشہ رہتا ہے اور آپ اس کے زیر بار احسان بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إنما نطعمكم لوجه الله لا نريد منكم جزاءً و لا شكورا" (الدھر/9)(ترجمہ: ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کھلاتے ہیں، نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری)

5۔ مخلوق بندہ اس وقت تک آپ کے فائدہ اور منفعت سے واقف نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اسے اس سے واقف نہ کرادے۔ اس کے بعد وہ اس وقت تک آپ کو فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس پر قدرت نہ عطا کر دے، پھر اس وقت تک اس کے دل میں آپ کو فائدہ پہنچانے کا ارادہ و خیال پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ بات نہ ڈال دے۔ اس طرح گھوم پھر کر معاملہ اسی ذات تک پہنچتا ہے جو اس کا نقطۂ آغاز ہے۔ تمام خیر و بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر معاملہ اسی کی طرف لوٹتا ہے۔۔۔ سوال یہ ہے کہ اس حقیقت کے بعد بھی بندوں کے دل غیر اللہ کی طرف کیوں متوجہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے کیوں لو لگاتے ہیں؟

ان سب کا خلاصہ: یہ ہے کہ آپ اس بات کو جان لیں اور اسے گرہ میں باندھ لیں کہ اگر ساری مخلوق آپ کو کوئی فائدہ پہنچانے کے لئے متفق ہو جائے تو وہ سب مل کر آپ کو اتنا ہی فائدہ پہنچائیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقدر کر دیا ہے۔ اور اگر ساری مخلوق آپ کو کوئی نقصان پہنچانے پر متفق ہو

جائے تو وہ سب مل کر آپ کو اتنا ہی نقصان پہنچائیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقدر کر دیا ہے۔ [1]

اگر آپ ان باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ان کی اثر اندازی کا ادراک کر لیں تو آپ کو ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں اس سے مدد ملے گی۔

ابن سعدی رحمہ اللہ "اللہ الصمد" کے بارے میں کہتے ہیں: تمام ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مخلوقات کے لئے منزل مقصود ہے۔ عالم بالا اور عالم ارضی کی تمام مخلوقات حد درجہ اللہ پاک کے محتاج ہیں، سب اسی سے اپنی حاجتوں کے لئے سوال کرتے ہیں اور اپنے تمام اہم معاملات میں اسی کی طرف رخ کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے ایک شخص کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس ایک صنم (بت) تھا، اسی سال سے وہ اس کی عبادت کرتا چلا آرہا تھا۔ ایک مرتبہ اس کا ایک لڑکا بیمار ہو گیا۔ وہ اپنے صنم (بت) کا طواف کرتا اور یہ دعا کرتا: اے صنم! میرے بیٹے کو شفایاب کر دے، وہ بار بار دعا کے یہ الفاظ دہراتا: اے صنم! میرے بیٹے کو شفایاب کر دے، لیکن اس کا بیٹا شفایاب نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ دعا کرتے ہوئے غلطی سے اس کی زبان سے یہ جملہ ادا ہو گیا: اے صمد! تو میرے بیٹے کو شفایاب کر دے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے کو شفا عطا کر دی۔ فرشتوں نے دریافت کیا: اے میرے رب! آپ کا بندہ مشرک ہے، وہ آپ کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ نہیں پھیلاتا ہے، وہ تو آپ کو چھوڑ کر اپنے اس صنم کے آگے دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے جس کی وہ پرستش کرتا ہے۔ اللہ عزوجل نے جواب دیا: "کیا کائنات میں میرے علاوہ بھی کوئی صمد ہے؟" [2]

---

1. یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام احمد اور امام ترمذی نے نقل کیا ہے، بحوالہ النھج الأسمیٰ (2/229)
2. یہ قصہ شیخ محمد علی شنقیطی کی تفسیر سورہ اخلاص سے ماخوذ ہے۔

آپ غور کیجئے، جب اللہ پاک نے اس کافر کی دعا قبول کرلی جس نے غلطی سے "یا صنم" کے بجائے "یا صمد" کہہ دیا، اس نے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے صمد ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے دعا نہیں کی تھی، اس کے باوجود اللہ نے اس کے رجوع اور اس کی دعا کو قبول کرلیا تو جو شخص اپنے دل و جان اور پورے وجود سے اس کی طرف متوجہ ہو کر مکمل اخلاص اور الحاح و زاری کے ساتھ اپنی ضرورت کے لئے اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا اور "یا صمد" کہہ کر اسے پکارے گا تو کیا اللہ پاک اسے نامراد خالی ہاتھ واپس کرے گا؟ ناممکن ہے کہ اسے خالی ہاتھ لوٹا دے۔ جو اللہ کا ہو گیا اللہ پاک اس کا ہو گیا۔ اللہ اپنے اس بندہ کو کبھی نامراد نہیں کرتا جو اس کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے، اس کی طرف رجوع کرتا، اس کی طرف لپکتا ہے اور اپنی شکایت اور حاجتیں اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔

ہم سب کو اللہ پر یقین کی ضرورت ہے۔ ہمیں آج تک جو نامرادی ہاتھ لگی اس کی اصل وجہ ہمارے یقین کی کمی اور ہمارے دلوں کا فساد و بگاڑ ہے۔ ہمیں آج تک جو نقصان ہوا وہ ہمیں رب کی معرفت حاصل نہ ہونے اور اس کی ذات پر یقین و بھروسہ نہ ہونے کی وجہ سے ہوا۔

اگر ہمیں رب کا عرفان حاصل ہو جائے جیسا کہ ہونا چاہیے تو ہمیں اپنی دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو گا، ہمیں تنگی سے کشادگی حاصل ہونے کا یقین ہو گا، ہمیں اللہ کی عطا و بخشش اور اس کی خصوصی مدد کا یقین ہو گا، ہمیں اللہ کی طرف سے نقصان کی بھرپائی اور عظیم الشان عوض و بدلہ ملنے کا یقین ہو گا، لیکن ساری مصیبت ہمارے اپنے اندر ہے، ہمارے یقین و توکل ہی کو مرض لاحق ہے، ہمارا دل رب تعالیٰ پر بھروسہ و توکل کرنے میں ناکام و بے بس ہے، ہمیں اپنے رب سے حسن ظن ہونا چاہیے تھا لیکن ہم اپنے رب سے بدگمانی کا شکار ہیں۔ ہمارے رب نے یہ کہہ کر ہمارے احوال کی سچی ترجمانی کی ہے: "و ما قدروا اللہ حق قدرہ" (الزمر / 67) (ترجمہ: ان لوگوں نے اللہ کی ویسی قدر نہیں کی جیسی کرنی چاہیے تھی)

موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کو فرعون کے ظلم سے بچانے کی خاطر لے کر نکلے تو سمندر ان کے سامنے تھا اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ان کے پیچھے تھا، اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: "إنا لمدركون" (الشعراء/61)(ترجمہ: ہم تو یقینا پکڑ لئے گئے) یعنی اس میں اب کوئی شک نہیں اگر ہم سمندر میں ڈوب کر ہلاک نہیں ہوئے تو ہمیں فرعون اور اس کا لشکر موت کے گھاٹ اتار دے گا، لیکن موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، رب پر ان کا ایمان ویقین متزلزل نہیں ہوا اور نہ رب پر ان کے توکل و بھروسہ میں کمی آئی۔ انہوں نے رب پر زبردست بھروسہ کرنے والے مرد مومن کے انداز میں اپنی قوم کو جواب دیا: "قال كلّا إن معي ربي سيهدين" (الشعراء/62)(ترجمہ: موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں، یقین مانو میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا)

جب موسیٰ علیہ السلام نے اس عظیم الشان یقین کے ساتھ رب پر توکل کا اظہار کیا تو فوراً ہی چند لمحوں میں پلک جھپکتے مشکل آسان کر دی گئی اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے سمندر خشک زمین کی شکل میں ان کے سامنے تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فأوحينا إلى موسىٰ أن اضرب بعصاك البحر فانفلق فكان كل فرق كالطود العظيم" (الشعراء/63)(ترجمہ: ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنی لاٹھی مار، پس اسی وقت دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی کا مثل بڑے پہاڑ کے ہو گیا) عقل کو حیران کر دینے والے اس معجزہ کے ظاہر ہونے کا آخر سبب کیا تھا؟ اس کا جواب ہے کہ اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی ذات پر غیر متزلزل یقین اور زبردست بھروسہ تھا۔ اللہ تعالیٰ پر عقیدہ و ایمان کی طاقت کی برکت ہی سے ایسا ممکن ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "انسانوں کے دل برتنوں کی طرح ہیں، چیزوں کو محفوظ کرنے کے اعتبار سے ان کے درمیان تفاوت ہے۔ جب تم اللہ عزوجل سے کسی چیز کے لئے سوال کرو تو تم اس طرح اس کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ کہ تمہیں قبولیت کا یقین ہو، اللہ تعالیٰ اس بندہ کی دعا قبول نہیں کرتا جو غافل دل

سے دعا مانگتا ہے۔"[1]

آپ زکریا علیہ السلام کے اس معاملہ پر غور کیجئے، جب وہ حجرہ میں مریم علیہا السلام کے پاس پہنچے اور ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نظر آیا جسے انہوں نے فراہم نہیں کیا تھا تو انہوں نے حیرت کے ساتھ دریافت کیا: "قال يا مريم أنّى لك هذا" (ترجمہ: زکریا علیہ السلام نے کہا: اے مریم! کھانے پینے کی اشیاء تمہارے پاس کہاں سے آئی؟) مریم علیہا السلام نے جواب دیا: "قالت هو من عند الله إن الله يرزق من يشاء بغير حساب" (ترجمہ: مریم نے کہا: یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، بیشک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے)

مریم علیہا السلام کی اس بات نے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے، رب کی ذات میں زکریا علیہ السلام کی امید کو روشنی کر دیا اور رب پر ان کے یقین واعتماد میں بے تحاشہ اضافہ کر دیا کہ اللہ بے حساب دیتا ہے، وہ کبھی بغیر اسباب ووسائل کے انعامات کی بارش کر دیتا ہے، وہ ان حالات میں بھی اپنی طرف سے عطا کرتا ہے جبکہ اسباب ووسائل کا دور دور تک پتہ نہیں ہوتا۔

جب زکریا علیہ السلام کا اللہ پر یقین و ایمان آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا تو انہوں نے اپنے رب سے ایک بیٹے کے لئے درخواست کی اور وہ بھی اس صورت حال میں جبکہ ظاہری طور پر ان کے اندر باپ بننے کی صلاحیت مفقود ہو چکی تھی، کیونکہ وہ کبر سنی کو پہنچے ہوئے تھے اور ان کی اہلیہ بانجھ ثابت ہو چکی تھی۔ ظاہری اسباب کی رو سے وہ کسی بچہ کو جنم دینے کی اہلیت سے محروم تھی۔ ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایسی عاجزی و بے بسی کی صورت حال تھی، اس کے باوجود زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی: "رب هب لى من لدنك ذريةً طيبةً إنك سميع الدعاء" (آل عمران/38) (ترجمہ: اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس

---

[1] صحیح الترغیب والترھیب (2/1652)

سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے)

زکریا علیہ السلام نے یہ دعا ایسے عالم میں کی جبکہ انہوں نے ظاہری اسباب کو بالکل نظر انداز کر دیا اور اپنی تمام تر امید و آرزو اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ کر دیا۔ انہوں نے رب سے عطیہ اور ہبہ کے لئے سوال کیا اور عطیہ وہ ہوتا ہے جو کسی عوض اور بدلہ کے بغیر ہو۔ جب ایسے توکل اور اعتماد کا مظاہرہ کیا گیا تو رب نے جس انداز سے شرف قبولیت بخشا وہ بھی حیران کن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فنادته الملائكة و هو قائم يصلي في المحراب أن الله يبشّرك بيحيى" (آل عمران / 39) (ترجمہ: پس فرشتوں نے انہیں آواز دی جبکہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ کی یقینی خوشخبری دیتا ہے)

فرشتوں نے زکریا علیہ السلام کے نماز سے فارغ ہونے اور حجرہ سے باہر نکلنے کا انتظار بھی نہیں کیا، بلکہ نماز ہی کی حالت میں انہیں خوشخبری سنا دی۔

آپ کو دل کے یقین کے ساتھ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ "الله غالب على أمره و لكن أكثر الناس لا يعلمون" (یوسف / 21) (ترجمہ: اللہ اپنے ارادہ پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں)

آپ اس بات کو جان لیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں تو کوئی بھی انسان اسے آپ پر بند نہیں کر سکتا ہے۔

اگر یہ نوازش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو آپ اس کی مقدار اور وسعت و عظمت کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إن هذا لرزقنا ما له من نفاد" (ص / 54) (ترجمہ: بیشک روزیاں (خاص) ہمارا عطیہ ہیں جن کا کبھی خاتمہ ہی نہیں)

جب اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو اولاد کی نعمت عطا کی تو اسی کے ساتھ ایک دوسری نعمت سے بھی انہیں نوازا اور وہ نعمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے کا نام بھی متعین کر دیا۔ عام طور پر باپ اپنے

بیٹوں کا نام رکھتے ہیں، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کے بیٹے کا نام رکھا اور ایسا نام رکھا جس سے پہلے کبھی کسی انسان کو موسوم نہیں کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لم نجعل له من قبل سميا" (مریم/7) (ترجمہ: ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا)

آپ اللہ تعالیٰ کے تجویز کردہ نام "یحییٰ" پر غور کیجئے۔ اس نام میں اس بات کا اشارہ موجود تھا کہ یہ نومولود ایک نمایاں زندگی جئے گا اور اس کی زندگی دوسروں سے ممتاز ہوگی۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ نام "حیاۃ" سے مشتق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا قلب، اس کی روح اور اس کا ایمان زندہ رہے گا۔ گناہوں کی کثرت اور بداعمالیاں اس کے دل کو مردہ نہیں کر سکیں گی جیسا کہ بہت سے اولاد آدم کے دلوں کو مردہ کر دیا ہے۔ یہ نومولود "حی" زندہ اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ اس کی والدہ کے مردہ رحم کو زندہ کر دیا اور یہ اس معنی میں "حی" زندہ ہے کہ اللہ نے اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے کر زندگی بخشی۔ اور آخر میں اس نبی کو لوگ ظلماً قتل کر کے شہید کر دیں گے تو شہادت کی وجہ سے بھی وہ زندہ ہی رہے گا، گویا وہ ہمیشہ زندہ ہی رہا، اس لئے کہ شہداء کے بارے میں قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس پہنچ کر رزق پاتے ہیں۔

اس قصہ سے آپ کو اللہ پر یقین کے معاملہ میں ایک عظیم سبق حاصل ہوتا ہے۔ آپ کے دل میں بحیثیت صمد اللہ کی عبودیت پختہ تر ہوتی ہے اور آپ اس قدیم حکیمانہ قول کا باریکی سے ادراک کرنے والے بن کر جینے لگتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "من كان له أب فلا يحمل هما فكيف إذاً بمن له رب؟" (جس کا باپ ہوتا ہے اسے کوئی فکر نہیں ہوتی تو جس کا رب ہو اسے کس بات کی فکر ہوگی؟)

آسمان و زمین اسی کی ملکیت اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب اس کی دسترس میں ہے۔

ایک ایسا انسان جو اللہ پر توکل کرتا ہو، اگر اسے کوئی مشکل درپیش ہوگی یا ضرورت و حاجت کا کوئی دروازہ

اس پر بند ہو جائے گا، کیا وہ مشرق و مغرب کی خاک چھانے گا یا وہ اپنی ذات تک محدود رہنے کی کوشش کرے گا؟ جس نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک "الصمد" کے معنی کو سمجھ لیا اور اس صمدیت کی حقیقت کو جان لیا وہ کسی معاملہ میں بہت کم ہی اپنی ذات پر بھروسہ کرے گا۔ وہ اپنے دل سے اللہ عزوجل کی طرف متوجہ رہے گا اور اسی کی ذات کو اپنا قبلہ و کعبہ بنائے گا۔ اس کی سوچ و فکر کا محور اللہ تعالیٰ سے لو لگانا اور اس کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ یہ بندہ کی زندگی کی سب سے بہترین کمائی ہے۔ یہ دنیاوی اعتبار سے انتہائی درجہ کی نفیس کمائی ہے اور اخروی اعتبار سے یہ بلند ترین کمائی ہے۔

یہ سب سے بہترین کمائی کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات و حصول کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بندہ ہر لمحہ اللہ کو پکارے اور اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ کچھ مانگتے وقت اسی سے دعا کرے، عبادت کے وقت اسی کا نام لے اور اسی کو پکارے، کوئی بھی حالت ہو اسی کا نام زبان پر آئے، کوئی بات منہ سے نکالے تو اس میں اس کا ذکر شامل ہو۔

بندہ کو جب اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو وہ اپنی دعا و پکار میں اضافہ کر دیتا ہے اور اس کے لئے اصرار و الحاح سے کام لیتا ہے اور جب بندہ کا اللہ کی ذات پر یقین و بھروسہ کمزور ہوتا ہے تو اس کی دعا و پکار، اصرار و الحاح اور سوال و مناجات میں کمی ہو جاتی ہے۔

جب جنت جیسی عظیم الشان نعمت عقیدۂ توحید کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے تو دنیاوی منزلیں و مقاصد اور دنیاوی آرزوئیں بدرجہ اولیٰ عقیدۂ توحید کی برکت سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ دنیا کی یہ ساری چیزیں چاہے یہ جتنی بڑی ہوں اور جتنی بڑی تعداد میں ہوں عقیدۂ توحید کے ذریعہ ان کا حصول ممکن ہے۔ عقیدۂ توحید کے ذریعہ کسی بھی منزل تک پہنچنا ممکن ہے، اس سے ساری مرادیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی بندہ اپنے عقیدۂ توحید میں سچا ہو، صدق دلی سے اللہ کے سامنے تذلل و انکساری

اختیار کرنے والا ہو، اپنے ایمان ویقین، رب کے ساتھ حسن ظن اور اسے اپنا ملجا و مأوی بنانے میں سچا ہو، پھر رب تعالیٰ اسے بے آسرا چھوڑ دے یا اُسے نامراد کر دے، اللہ جل جلالہ کی ذات سے ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا ہو گا، اللہ تعالیٰ اسے سچ ثابت کر دے گا۔

یوسف ابن اسباط کہتے ہیں: "ما صدق عبد الله إلا صنع له" یعنی جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے سچا ہو گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا، اسے خیر کی توفیق دے گا، اس کے معاملات کی تدبیر کرے گا اور اس کے لئے آسانیاں پیدا کر دے گا، بلکہ اس طرح کے سچے بندہ کے لئے اگر آسمان و زمین بھی اپنے دروازے بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اس مشکل و تنگی کے درمیان بھی اس کے لئے کشادگی اور راہ نجات پیدا کر دے گا۔

اگر کسی ایسے بندہ کا نمونہ دیکھنا ہو جس پر دنیا کے سارے دروازے بند ہو گئے تھے تو آپ سورہ توبہ میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ پڑھیے۔ وہ غزوہ تبوک میں شرکت سے پیچھے رہ گئے۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ نے، آپ کے صحابہ کرام نے اور تمام اہل مدینہ نے اللہ کے حکم سے کعب رضی اللہ عنہ سے قطع تعلق کر لیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و سلم کے حکم کی تعمیل میں کوئی بھی شخص ان سے بات نہیں کرتا تھا۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ خود اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں: وہ آئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو پتہ نہیں چلا کہ سلام کا جواب دیتے ہوئے آپ کے ہونٹ نے حرکت کی یا نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نماز کی حالت میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے اور جب نماز کے بعد میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ اعراض فرماتے۔ کعب رضی اللہ عنہ اپنے چچازاد بھائی ابو قتادہ کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام کرتے لیکن وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی خاطر ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے جبکہ ابو قتادہ انہیں لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ کعب رضی اللہ عنہ اپنی اس حالت پر

رو دیئے اور اپنے چچازاد بھائی ابو قتادہ کے پاس جا کر ان سے دریافت کرنے لگے کہ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں اللہ اور اس کے رسول سے بغض رکھتا ہوں؟ ان کے چچازاد بھائی اس سوال پر بھی خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا، کعب رضی اللہ عنہ نے دوسری بار اپنا سوال دہرایا تب بھی وہ خاموش رہے، کعب رضی اللہ عنہ نے تیسری بار اپنا سوال دہرایا تو انہوں نے بس اتنا سا جواب دیا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کعب رضی اللہ عنہ اپنے بہتے ہوئے آنسوؤں اور تنگیٔ نفس کے ساتھ واپس آ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد ان کے پاس روم کے بادشاہ کا ایک خط پہنچا جو خود اپنے آپ میں ان کے ایمان و عقیدہ کی ایک بڑی آزمائش تھی، اس خط میں لکھا ہوا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ساتھی نے آپ سے بے رخی اختیار کر لی ہے، آپ ہمارے پاس آ جایئے ہم آپ کی مدد کریں گے۔ خط کو پڑھنے کے بعد کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا یہ خود اپنے آپ میں ایک آزمائش ہے، انہوں نے اس خط کو تندور میں ڈال کر نذر آتش کر دیا۔ اس تکلیف اور گھٹن کی صورت حال کا انہوں نے سامنا کیا جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"حتى إذا ضاقت عليهم الأرض بما رحبت و ضاقت عليهم أنفسهم" (التوبۃ/118)(ترجمہ: یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے) زمین اپنی کشادگی، شادابی اور نرمی کے باوجود ان کے لئے اور ان کے دو دیگر ساتھیوں کے لئے تنگ ہو گئی تھی۔ زمین کی تنگی پر مستزاد وہ تنگی بھی تھی جو انہیں اپنے دلوں کے اندر محسوس ہو رہی تھی۔ کیا اس سے زیادہ تکلیف دہ تنگی بھی ہو سکتی ہے؟ کبھی جگہ کی تنگی وجود کی تنگی کے مقابلہ آسان ہوتی ہے۔ جب انسان کو اپنے سینہ کے اندر تنگی محسوس ہونے لگے تو بھاگ کر کہیں جا بھی نہیں سکتا، آخر وہ اپنے وجود سے بھاگ کر کہاں جائے گا؟

بالآخر کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اس آزمائش میں کامیاب اور سرخرو ہوئے۔ انہوں نے دنیا کی دلفریبی و چمک دمک پر اللہ تعالیٰ کو ترجیح دی، وہ اپنے رب سے لو لگائے ہوئے کشادگی کے منتظر رہے۔ اس تنگی و بائیکاٹ کی حالت میں کچھ دن گزارنے کے بعد ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف کشادگی آ گئی اور ایک شخص

نے آواز لگا کر اس کشادگی کی خوشخبری انہیں سنائی کہ اے کعب! خوش ہو جایئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کشادگی پیدا کر دی ہے، آپ کو خوشخبری ہو، اللہ نے آپ کی توبہ قبول کر لی ہے، خوشخبری ہو، اللہ نے آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا کیا ہے۔ کعب رضی اللہ عنہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہ نوازش و کشادگی ان کے تصور و خیال سے بڑھ کر تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول ہونے کی خبر قرآن مجید کی آیات کے ذریعہ دی تھی، قیامت تک جس کی تلاوت کی جاتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کی ان صفات کمال کا آپ کے ذہن میں استحضار ہونا چاہیے جن سے اس نے اپنی کتاب مقدس میں خود کو متصف کیا ہے، پھر آپ ان صفات کو اپنی دعاؤں میں اپنی زبان سے دہرائیں۔

مثلاً آپ کہیں: اے رب! آپ نے اپنے بارے میں کہا ہے اور آپ کا قول برحق ہے: "إنّ الله يفعل ما يريد" (ترجمہ: اللہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے)

آپ نے اپنے بارے میں یہ بھی کہا ہے اور آپ کا قول برحق ہے: "و الله على كل شيء قدير" (ترجمہ: اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے)

آپ نے اپنے بارے میں یہ بھی کہا ہے اور آپ کا قول برحق ہے: "إنما أمره إذا أراد شيئاً أن يقول له كن فيكون" (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے)

آپ اپنی دعاؤں میں اللہ پاک کو اس طرح بھی مخاطب کر سکتے ہیں:

اے وہ ذات جس نے بچھڑ جانے کے بعد یوسف اور یعقوب علیہما السلام کو ایک دوسرے سے ملا دیا، اے وہ ذات جس نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کے گود میں پہنچا دیا۔

اے وہ ذات جس نے دہکتی ہوئی آگ کو ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا ذریعہ بنا دیا۔

اے وہ ذات جو جب دینے پر آتی ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی چیز کوئی معنی نہیں رکھتی ہے۔ وغیرہ۔

اللہ پاک کا نام "الرب"

☆ جس شخص کو اللہ پاک کے نام "الرب" کا فہم حاصل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پرورش و اصلاح کیسے کرتا ہے، جس نے اسے جان لیا تو زندگی کے بارے میں اس کی فکر و نظر میں انقلابی تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جس طرح پرورش و اصلاح کرتا ہے دنیا میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔ یہ تربیت آپ کو کتابوں اور نصابوں میں بھی کہیں نہیں ملے گی، آپ اللہ کے اسماء وصفات کا فہم حاصل کرنے کے بعد ہی اس تربیت کا سراغ پا سکتے ہیں۔

☆ اللہ پاک کا نام "الرب" قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے جس کی تعداد تقریباً ایک سو اکاون ہے۔

☆ "الرب" تین معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے:

1۔ السید بمعنی سردار و آقا

2۔ المصلح بمعنی اصلاح کرنے والا

3۔ المالک بمعنی ملکیت رکھنے والا

☆ لفظ "السید" حدیث نبوی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تم منافق کو سید نہ کہو، اس لئے کہ سید اللہ پاک کی ذات ہے۔

☆ "المصلح" کا معنی اس طور پر نکلتا ہے کہ عربی میں کہا جاتا ہے: رَبَّ الشیءَ أی أصلحہ اس نے فلاں چیز کی اصلاح کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "و لکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون" (آل عمران / 79) (ترجمہ: تم سب رب کے ہو جاؤ تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب)

الربانیۃ کے معنی ہیں اصلاح اور ربانیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم و حکمت کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں۔

☆ **المالک:** اسی معنی میں عبد المطلب کا یہ قول ہے "أنا رب الإبل و للبيت ربّ يحميه" (میں اونٹوں کا مالک ہوں، خانہ کعبہ کا مالک کوئی اور ہے، وہی اس کی حفاظت کرے گا۔)

اللہ عزوجل کے حق میں "الرب" کے معنی ہیں: اللہ مخلوقات کا مالک، ان کا آقا، ان کا مربی اور ان کا مصلح ہے۔

پرورش دو طرح کی ہوتی ہے:

1۔ عام پرورش

2۔ خاص پرورش

عام پرورش

اس پرورش میں ساری مخلوقات شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے ساری مخلوق کو پیدا کیا، ان کی مدد کی اور ان کی ذاتی، جسمانی اور معاشی امور کی تدبیر کی۔

سورج مومن و کافر سب کو روشنی دیتا ہے، بارش اللہ کی عبادت کرنے والوں اور بتوں کے پجاریوں سب کے لئے برستی ہے، کھلی ہوا میں لا إله إلّا الله کہنے والے اور نہ کہنے والے سب سانس لیتے ہیں۔ یہ ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ کی نوازش اور عطا ہیں۔ یہ سب عطائے ربوبیت ہے۔

یہ ربوبیت تخلیق، ملکیت، تدبیر اور علم پر قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اس کی وسیع ترین رحمت پر مبنی ہے جس سے ساری مخلوق مستفید ہوتی ہے اور اللہ

کے سارے بندے اس کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نام نامی "الرحمٰن" اس پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "و رحمتی وسعت کُلَّ شیء" (ترجمہ: میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے) دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "الرحمٰن عَلَّم القرآن خلق الإنسان علّمه البيان" (ترجمہ: رحمٰن نے قرآن سکھایا، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا)

اللہ تعالیٰ کے ذریعہ مخلوق کی یہ پرورش، پیدا کرنے، روزی دینے اور معاملات کی تدبیر کرنے کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔ اور اس سے اس کا کوئی بندہ محروم نہیں ہوتا ہے۔

خاص پرورش

اس سے مراد اللہ کے خاص بندوں کی پرورش ہے، اس کے ذریعہ وہ ان کے دلوں، روحوں اور اعمال کی اصلاح کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ایمان کی غذا فراہم کرتا ہے، انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے، ان کے لئے ہر خیر کی راہ آسان کر دیتا ہے اور ہر قسم کے شر سے ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ اسی لئے اللہ کے خاص بندوں کی اکثر دعائیں اس کے اس جلیل الشان نام "رب" کے ذریعہ ہوتی ہیں۔ وہ اپنی ہر دعا کو "ربنا" سے شروع کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ اسی خصوصی پرورش کے لئے سوال کرتے ہیں۔ [1] آپ قرآن مجید میں انبیائے کرام کی دعاؤں پر غور کیجئے اور سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کے آخر میں وارد ہونے والی دعاؤں پر غور کیجئے۔

ان دعاؤں میں اگر کسی لفظ کی تکرار ہے تو وہ ربنا، ربنا، ربنا ہے۔ کہیں پر آیا ہے "یا رب ربّنا بالإیمان" (اے رب! ایمان کے ذریعہ ہماری پرورش کیجئے) کہیں آیا ہے: "ربّنا بما جاء فی کتبك" (اے رب! تیری نازل کردہ کتابوں میں جو کچھ آیا ہے ہم اس کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتے ہیں) کہیں آیا ہے "ربّنا بما أرسلت به

---

[1] أسماء اللہ الحسنیٰ جلالها ولطائف اقتزانها، ص (37) معمولی حذف واضافہ کے ساتھ

رُسُلَكَ" (اے رب! تونے اپنے رسولوں کو جن احکام و تعلیمات کے ساتھ بھیجا ہے ہم اس کے واسطے سے سوال کرتے ہیں) کہیں پر ہے "یا ربّ ثبتنا" (اے رب! ہمیں ثابت قدم رکھ) کہیں آیا ہے: "یا رب اھدنا" (اے رب! ہمیں ہدایت عطا کیجئے) کہیں پر ہے "یا رب أصلحنا" (اے رب! ہماری اصلاح فرما دیجئے)

یہ ساری دعائیں اسی خاص قسم کی پرورش کے لئے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں درجہ بدرجہ ترقی عطا فرمائے اور انہیں تقصیر کی حالت سے کمال کی طرف منتقل کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے ذریعہ بندوں کی تربیت کا طریقہ:

1۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو محروم کر کے بھی تربیت کرتا ہے اور عطا کر کے بھی ان کی تربیت کرتا ہے۔(ہم تمہیں شر کے ذریعہ آزماتے ہیں اور کبھی خیر بھی آزمائش ہوتی ہے۔)

درد و الم کے ذریعہ بھی ہماری تربیت کی جاتی ہے، کسی چیز کو کھو دینے کے ذریعہ بھی ہماری تربیت ہوتی ہے، بیماری کے ذریعہ بھی ہماری تربیت ہوتی ہے، غم میں مبتلا کر کے بھی ہماری تربیت کی جاتی ہے، تنگی و کشادگی کے ذریعہ بھی ہماری تربیت کی جاتی ہے، کسی چیز کے حاصل ہونے میں تقدیم و تاخیر کے ذریعہ بھی ہماری تربیت کی جاتی ہے، اسی طرح اقبال مندی، شکست و ناکامی و زوال اور نعمتوں سے محرومی اور ان کے حصول سب کے ذریعہ ہماری تربیت ہوتی ہے۔

اللہ پاک کے ذریعہ ہماری تربیت کی یہ مختلف شکلیں ہیں۔

2۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تربیت ان کے لئے متعین کی گئی تقدیروں کے ذریعہ بھی کرتا ہے، چاہے یہ تقدیر بظاہر کتنی ہی زیادہ المناک، پر مشقت اور سخت کیوں نہ نظر آتی ہوں اور چاہے اس کی وجہ سے انسان کا کتنا ہی قیمتی سرمایہ ہاتھ سے نکل گیا ہو اور چاہے اس کی وجہ سے کتنی بڑی محرومی ہی کیوں نہ ہاتھ لگی ہو، لیکن اس سے بندے کے اتنے زیادہ مفادات وابستہ ہوتے ہیں کہ وہ ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے

ہیں۔

اس خاص قسم کی تربیت میں بھی رحمت ہی کی صورت ہوتی ہے، ایسی رحمت جس میں اللہ پاک کا لطف و کرم شامل ہوتا ہے۔ بندے کو اس سے خیر ہی حاصل ہوتا ہے لیکن وہ سمجھ نہیں پاتا کہ یہ اس کے حق میں خیر ہے۔

ہمارے لئے اس معاملہ کو سمجھنا اس لئے مشکل ہو جاتا ہے کہ ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ رحمت سے مراد عطاو بخشش اور انعام اور تسلسل کے ساتھ نعمتوں کا حصول ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بندہ پر اللہ کی رحمت کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ کبھی اللہ تعالیٰ بندے کو عطا کر کے اس پر رحم کرتا ہے اور کبھی اسے آزمائش میں مبتلا کر کے اس پر رحم کرتا ہے۔ اللہ پاک کی ذات حکمت والی اور دانا ہے، اس کا کوئی بھی کام بے کار و بے مقصد نہیں ہے اور اس کی متعین کردہ کوئی تقدیر بے فائدہ نہیں ہے۔

اللہ پاک نے کتنے ہی انسانوں کو ان لذتوں اور آرزوں سے محروم رکھا ہے جن کے وہ متمنی ہوتے ہیں، لیکن اس انسان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ نے اس سے محروم کر کے اس کے درجات کو بلند کیا ہے۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جنہیں ان کی محبوب و پسندیدہ چیزوں سے محروم رکھا گیا ہے لیکن اس بندہ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ نے اس کی اصلاح قلب کی خاطر اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہیں ان کی جان، ان کے جسم اور اہل عیال کے تعلق سے آزمائش میں ڈالا گیا ہے اور یہ آزمائش ان کے لئے دین پر استقامت کا اور رب تعالیٰ کی طرف رجوع کا سبب بنی ہے۔ نیز ان کے اصلاح حال، نیکیوں میں اضافے اور گناہوں کی معافی کا سبب بنی ہے۔ یہ ہے اللہ پاک کا لطف و کرم۔ وہ ارشاد فرماتا ہے: "اللہ لطیف بعبادہ" (اللہ اپنے بندوں پر لطف و کرم کرنے والا ہے)

3۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے مختلف انداز کو سمجھنا چاہتے ہیں تو آپ اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ

کریں کہ مومن بندوں کو لا محالہ آزمائش سے گزرنا ہے۔ یہ کائنات کے لئے اللہ کی سنت اور اس کا اختیار کردہ طریقہ ہے۔ اس کا ارشاد ہے: "الم أحسب الناس أن يُترکوا أن يقولوا آمنا و هم لا يفتنون "(العنکبوت / 1-2)(ترجمہ: الم، کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انہیں بغیر آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے)

ہلکی پھلکی آزمائش جو آتی ہے اور فوراً ہی گزر جاتی ہے، اس کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ اعتبار اس کا ہے کہ آزمائش بار بار آئے اور انسان بار بار آزمائش کے منجدھار میں ہچکولے کھائے، یہاں تک کہ وہ آزمائشوں سے گزر کر کندن بن جائے۔ جس طرح اصلی سونا کی پرکھ آگ میں تپا کر کی جاتی ہے اسی طرح بندہ نیک ہے یا نہیں اس کی جانچ آزمائش کے ذریعہ ہوتی ہے۔

اللہ پاک جب کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دنیا کی الجھنوں اور آزمائش کے تھپیڑے لگاتا ہے تاکہ اس بات کا پتہ لگ جائے کہ بندہ ہر حال میں اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے والا ہے یا نہیں۔

آپ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر غور کیجئے:

اللہ تعالیٰ کے ان فیصلوں پر غور کیجئے جن کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام پیدائش کے بعد ہی سے کئی طرح کے حالات سے دوچار ہوئے۔

سب سے پہلے وہ اپنی والدہ سے جدا ہوئے جبکہ ابھی وہ ایک دودھ پیتے ہوئے بچہ تھے، اس چھوٹی سی عمر میں ان کو دریا میں ڈال دیا گیا جہاں ان کے ہلاک ہونے کا پورا اندیشہ تھا، تاہم وہ ان کے لئے اللہ کے حکم سے نجات کا ذریعہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ انہیں فرعون کے محل کے قریب ساحل پر ڈال دے تاکہ موسیٰ علیہ السلام زندہ رہیں حالانکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے مذکر بچوں کو مار ڈالنے کی مہم

چھیڑ رکھی تھی، اس لئے کہ اسے اپنے ملک اور اقتدار کے ہاتھ سے نکل جانے کا خطرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بات کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھنے کا ارادہ کر لیا تو زوجۂ فرعون کے دل میں ان کی محبت ڈال دی۔ وہ اپنے شوہر سے کہنے لگی: "قرة عين لی و لك" (یہ ہمارے اور آپ کے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا)

انسان کا دل اللہ کی مخلوق اور اس کے لشکر کا ایک سپاہی ہے۔ دل اللہ کے حکم کی تعمیل کا پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے محل میں پرورش پائی۔ جب وہ جوان ہوئے تو ان کے ہاتھوں ایک قبطی کے قتل کا واقعہ پیش آ گیا جو اہل مصر میں سے تھا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام قتل کے انجام سے خوفزدہ ہو کر مصر سے بھاگ کھڑے ہوئے، انہیں اپنی منزل کا بھی پتہ نہیں تھا، اس لئے کہ انہوں نے اس سے پہلے کبھی مصر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر مدین پہنچے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ وہی علاقہ ہے جسے آج تبوک کہا جاتا ہے۔ انہوں نے مصر سے مدین تک کا سفر جس حالت میں کیا وہ حیرت انگیز ہے۔ وہ مصر سے مدین تک تقریباً ایک ہزار کیلو میٹر ننگے پاؤں اور پیدل چلے، سفر میں کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں تھا، دوران سفر درخت کے پتے کھاتے رہے۔ مدین میں پانی کے گھاٹ پر پہنچے اور دو عورتوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ مدین میں دس سال تک ان دونوں عورتوں کے والد کی بکریاں چرانے اور ان کے دیگر کاموں کو انجام دینے پر مامور رہے۔ پھر مدین سے اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک نہایت سرد اور تاریک رات میں مصر کے لئے روانہ ہوئے، پھر اللہ کی مشیئت سے راستہ بھٹک گئے۔ اسی دوران انہیں آگ نظر آئی جس سے انہیں انسیت کا احساس ہوا، کیونکہ اس تاریک رات میں چلتے ہوئے انہیں خوف اور وحشت کا بھی احساس ہو رہا تھا، "فقال لأهله امكثوا إني آنست نارا لعلي آتيكم منها بقبس" (تو انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا، تم یہیں پر رکو،

آگ کو دیکھ کر مجھے انسیت کا احساس ہوا ہے، ممکن ہے میں تمہارے لئے اس کا کوئی شعلہ لے کر آجاؤں) جس سے تم اس سرد رات میں گرمی حاصل کر سکو یا ممکن ہے کہ آگ کے پاس کوئی انسان مل جائے جو صحیح راستہ کی طرف ہماری رہنمائی کر دے۔ جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو وہاں کیا پایا؟

وہاں انہیں ایک آواز سنائی دی کہ اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں۔

غور کیجئے۔۔۔

ایک بندہ۔۔۔ مخلوق۔۔۔ کمزور انسان۔۔۔ ایک نہایت سرد اور تاریک رات میں دوران سفر راستہ بھٹک گیا۔۔۔ آگ کی تلاش میں گیا تاکہ اس سے گرمی حاصل کر سکے۔۔۔ جب واپس آیا تو مقام کلیمی سے سرفراز ہو چکا تھا!!!

موسیٰ علیہ السلام تقدیروں اور آزمائشوں سے گزرنے کے بعد کیسے بلند مقام پر فائز ہوئے۔۔۔ کیسی عظیم الشان نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔

4۔ آپ یہ بات بھی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ جب آپ کو کوئی مقام و مرتبہ عطا کرنا چاہتا ہے تو وہ آپ کو پہلے اس کی اہلیت عطا کر دیتا ہے اور وہ مقام و مرتبہ جتنا بلند اور اعلیٰ ہوتا ہے اس کے لئے ویسی ہی بڑی آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔

اس کے لئے آپ ابو الانبیاء اور اللہ کے مخلص بندوں کے سردار ابراہیم علیہ السلام کی مثال کو اپنے سامنے رکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے صاحب قلب منیب کہہ کر ان کی تعریف کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إن ابراهيم لحليم أوّاه منيب" (هود/75) (ترجمہ: یقیناً ابراہیم بہت تحمل والے، نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے) ابراہیم علیہ السلام کا دل نرمی و مہربانی اور لطف و کرم سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے ایسا مہربان دل پایا تھا کہ کوئی انسان ان کے لطف و کرم سے محروم نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ان کا غایت درجہ رحم و کرم کا جذبہ ہی تھا

جس کی بناء پر وہ قوم لوط کو عذاب دینے والے فرشتوں کا ہاتھ پکڑنے کے لئے تقریباً تیار ہی ہو گئے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کیسے ہوئی؟

اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تم اپنے بیٹے کو ذبح کر دو۔۔۔ یہ بیٹا بھی کون سا تھا؟ ایسا بیٹا جو بڑھاپے میں حاصل ہوا تھا۔۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت رونے گڑگڑانے اور دعا و الحاح کے بعد ملا تھا جس کے لئے وہ برسوں سے مشتاق اور خواہشمند تھے۔ وہ بیٹا جب جوان ہو گیا اور باپ کے دل میں اس کی شدید محبت جوش مارنے لگی اور باپ کا دل پوری طرح اس سے لگ گیا تو یہ سخت ترین آزمائش درپیش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے "إن هذا لهوا البلاء المبين" کہہ کر کھلی آزمائش قرار دیا۔ اس آزمائش میں ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے سچائی اور اخلاص کا زبردست مظاہرہ ہوا۔ جب انہوں نے اپنے رب کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیا اور اللہ کے امتحان میں سرخرو اور کامیاب ہو گئے تب اللہ کی طرف سے ان کے پاس یہ خوشخبری آئی: "و فديناه بذبح عظيم و تركنا عليه فى الآخرين سلام على إبراهيم كذلك نجزى المحسنين إنه من عبادنا المؤمنين و بشَّرناه بإسحاق نبيا من الصالحين" (الصافات/107-112)(ترجمہ: اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا، ابراہیم (علیہ السلام) پر سلام ہو ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا اور ہم نے اس کو اسحاق (علیہ السلام) نبی کی بشارت دی جو صالح لوگوں میں سے ہو گا۔) ابراہیم علیہ السلام بجا طور پر خلیل الرحمٰن کہلانے کے مستحق ہیں۔ وہ مقام خلیلیت کے بجا طور پر حقدار ہیں۔

☆ حدیبیہ کے موقع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ساتھ جو کچھ پیش آیا، آپ اس پر غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ ارادہ کر لیا کہ اس کے آخری دین کو استحکام حاصل ہو اور لوگ اس دین میں فوج در فوج داخل ہو جائیں اور جب اللہ پاک نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عظیم مقام

و مرتبہ پر فائز کرنے کا ارادہ کر لیا جو دنیا کے کسی بھی دوسرے انسان کے حصہ میں نہیں آیا۔ اس بلند مقام اور فضیلت کا تذکرہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے "لیغفر لك ما تقدم من ذنبك و ما تأخر "(تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دے)

اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کو دوسرے دنیوی فوائد و منافع سے نوازنے کا تہیہ کر لیا جو اپنے آپ میں صرف عمرہ کی غرض سے مکہ میں داخل ہونے سے بڑھ کر تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان تمام نوازشات اور مرتبوں کا مسلمانوں کے حق میں فیصلہ کر لیا تو اس نے مسلمانوں کے حق میں اپنے فیصلے اور تقدیر کو جاری کر دیا۔ صلح حدیبیہ ظاہر میں مسلمانوں کو آزمائش اور بہت سخت بلاء محسوس ہوئی جس کی وجہ سے وہ غمگین ہوئے اور انہیں درد و الم کا احساس بھی ہوا، دب کر صلح کرنے کی وجہ سے بظاہر انہیں ذلت و اہانت سے گزرنا پڑا اور لگا کہ مشرکین کو ان پر غلبہ حاصل ہو گیا ہے، لیکن جب انہوں نے اس پر صبر کر لیا، اللہ کے فیصلے کے سامنے جھک گئے اور اس کی تقدیر سے راضی ہو گئے تو ان پر اللہ کی نعمتوں کا دروازہ کھل گیا اور اس کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری و ساری ہو گیا۔

جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی تربیت کو قبول کرتا ہے اور اس کی لکھی ہوئی تقدیر پر راضی رہتا ہے، اس پر اللہ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہے۔

☆جب آپ اللہ پاک کی تربیت سے راضی و خوش ہوں تو آپ کے لئے ایک اہم بات کو سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔

وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی حکمت سے آپ کے لئے کسی راستہ کو بند کر دیتا ہے تو وہ اپنی رحمت سے آپ کے لئے ایک دوسرا راستہ کھول بھی دیتا ہے جو آپ کے لئے زیادہ سود مند ہوتا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ہے: آپ اس پر غور کریں کہ بچہ جب رحم مادر میں ہوتا ہے تو اس وقت اس کی

غذا پہنچنے کا صرف ایک راستہ ہوتا ہے اور وہ ناف کا راستہ ہے جس سے جنین کو غذا فراہم کی جاتی ہے۔ جب وہ پیدائش کے بعد دنیا میں اپنی آنکھیں کھولتا ہے تو حصول غذاء کا وہ راستہ بند ہو جاتا ہے، لیکن اب اللہ تعالیٰ اس کے لئے رزق کے دو راستے کھول دیتا ہے اور ان دو راستوں کے ذریعہ اسے ایسا رزق فراہم کرتا ہے جو پہلے حاصل ہونے والے رزق سے زیادہ پاکیزہ اور لذیذ ہوتا ہے، یعنی ماں کا خالص و لذیذ دودھ جس سے وہ پرورش پاتا ہے۔ پھر مدت رضاعت مکمل ہونے کے بعد دودھ چھوڑنے کی وجہ سے رزق کے یہ دونوں راستے بھی بند ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ اس کے لئے رزق کے چار راستے کھول دیتا ہے، یعنی دو وقت کھانے کی چیزیں اور دونوں وقت پینے کی چیزیں۔ اور جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو کھانے پینے کے یہ چاروں راستے بھی بند ہو جاتے ہیں۔ اب اگر وہ وفات پانے والا نیک بندہ ہے تو اس کے لئے آٹھ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے جس دروازہ سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے گا اور اس کی لامتناہی نعمتوں سے مستفید ہوتا رہے گا۔

6۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی تربیت اس طرح بھی کرتا ہے کہ انہیں اپنی آیات سے سامنا کرتا ہے۔ اس کی وہ آیات تنبیہ اور تخویف کے طور پر ہوتی ہیں۔ ان نشانیوں کو بھیج کر بندے کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے اور انہیں چوکنا کرتا ہے کہ وہ خواب غفلت سے جاگیں، ہوش میں آئیں اور اپنی اصلاح کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "و ما نرسل بالآيات إلا تخويفاً" (ہم اپنی آیات بندوں کو ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے کا عمل کبھی اپنے حالات پر غور و فکر کرنے کی توفیق عطا کر کے ہوتا ہے۔ اس حالت سے بندہ ڈرتا ہے، یہ صورتحال اس کا پیچھا کرتی رہتی ہے اور اسے ملامت و سرزنش کرتی ہے، گویا اس سے کہہ رہی ہو کہ تم گنہگار ہو، اپنے گناہوں سے توبہ کرو۔

اللہ تعالیٰ اپنی نشانیوں سے کبھی اس طرح سامنا کراتا ہے کہ بندے کے دل پر خوف طاری کر دیتا ہے

تاکہ وہ میری پکار کو سنے، مجھ سے شفایابی مانگے اور مجھے پہچاننے کی کوشش کرے۔ ایک پریشان کن خوف بندے کے دل پر طاری کر دیتا ہے تاکہ بندہ غفلت سے جاگے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو بحران میں مبتلا کرتا ہے تاکہ اس کی تلخی کا مزہ چکھے، حالات سے خوف کھائے، زندگی کے تکدر کو محسوس کرے اور ناموافق حالات اسے اندر سے ہلا کے رکھ دے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے لطف و مہربانی کے ذریعہ بندے کو ان سخت حالات سے باہر نکال دیتا ہے تاکہ بندہ یہ جان لے کہ اللہ اس پر قادر ہے، وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا، لیکن وہ بندے کو مہلت دیتا ہے اور اسے بار بار سنبھلنے کا موقع دیتا ہے۔

کبھی اللہ پاک کی یہ تربیت آسانی کی جگہوں پر تنگی دے کر ہوتی ہے یا ہمارے آس پاس جو لوگ ہوتے ہیں ان کے حالات کو تبدیل کر کے ہوتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ دینے والے تھے وہ اپنا ہاتھ روک لیتے ہیں، جو نرمی کرنے والے تھے وہ سخت بن جاتے ہیں اور اذیت دینے لگتے ہیں یا کسی کو اللہ تعالیٰ مسلط ہی کر دیتا ہے۔ ایسے مواقع پر ہم میں سے بیشتر لوگ انسانوں ہی کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں اور ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہماری اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ یا تو اللہ پاک کے کسی حق کو ادا کرنے میں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے یا پھر انسان کے عائد ہونے والے حق کی ادائیگی میں ہم نے کوتاہی کی ہے۔ جو بدل جاتا ہے اللہ اس کے حالات کو بدل دیتا ہے اور جو پلٹ جاتا ہے اللہ اس کے حال کو پلٹ دیتا ہے۔

کبھی اللہ پاک کی تربیت اس طرح ہوتی ہے کہ انسان کی زندگی میں ایسے حادثات پیش آتے ہیں جو اسے اپنی ہی نگاہ میں بے نقاب کر دیتے ہیں، اس کے دل میں جو فساد اور گندگی تھی اسے عیاں کر دیتے ہیں، کیونکہ برتن کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہی چھلک کر باہر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”أم حسب الذين فی قلوبهم مرض ألن يخرج الله أضغانهم“ (جن کے دلوں میں مرض ہے کیا ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ ان

کے دلوں کی آلائشوں کو باہر نہیں نکالے گا)

7۔ بندہ یہ کیسے سمجھے گا کہ گناہ کے بعد یہ سزا اللہ کی تربیت کا حصہ ہے اور اللہ کا یہ لطف و کرم بھی اس کی تربیت کا حصہ ہے؟

پہلی بات: بندہ کو یقینی طور پر جان لینا چاہیے کہ اس کے رب نے اس پر ظلم نہیں کیا ہے، بلکہ اللہ سبحانہ کی ذات صحیح فیصلہ کرنے والی اور عدل و انصاف کرنے والی ہے۔ وہ ہر قسم کے عیوب، نقائص اور ظلم سے پاک ہے، اس نے بندہ کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا ہے۔ وہ اپنے گناہ کی وجہ سے اس کا مستحق تھا جو اس کے ساتھ پیش آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "و ما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم و يعفوا عن كثير" (تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے اور بہت سے کوتاہیاں تو وہ معاف کر دیتا ہے)

دوسری بات: اس کی حکمت اس کے عدل و انصاف میں عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ بندہ کو ایسی سزا سے دوچار کرتا ہے جو اس کے لئے نفع بخش ہوتی ہے، جو اسے گناہ سے پاک کر دیتی ہے اور جس سے اس کے احوال درست ہو کر راہ راست پر آجاتے ہیں۔ بندہ کو چاہیے کہ وہ اللہ کی سزا کو اپنے لئے رحمت تصور کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ بندہ کا بھلا ہی چاہتا ہے۔

تیسری بات: بندہ اللہ تعالیٰ کی تربیت کو بہر صورت قبول کرے یعنی اسے مثبت طور پر لے، تقدیر کو صرف ایک زاویۂ نگاہ سے نہ دیکھے، یعنی اسے صرف سزا اور تکلیف کے طور پر نہ لے، بلکہ اس میں کئی طرح کی حکمتیں تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ اگرچہ وہ تربیت بظاہر سزا نظر آتی ہو لیکن وہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور اس کی رحمت کے پہلو کو تلاش کرنے کی کوشش کرے کہ اللہ نے اس آزمائش کے ذریعہ اسے بہت طرح کے فضائل سے بھی نواز دیا ہے۔ اسے یہ احساس ہو کہ یہ اگرچہ بظاہر آزمائش ہے لیکن اللہ نے اس کے ذریعہ اسے گناہوں سے پاک صاف کرنے اور آخرت میں عزت و سربلندی عطا

کرنے کا ارادہ کیا ہے، اب وہ جب آخرت میں قدم رکھے گا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ہے: "کچھ مومن مرد اور عورت اپنی جان و مال اور آل و اولاد میں مسلسل آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ مرنے کے بعد اللہ سے ملاقات کرتے ہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ 1

ایسے مومن بندے کو اس بات کے لئے اللہ پاک کی حمد و ثنا بیان کرنی چاہیے کہ اس نے اس کے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں دے دی اور اسے آخرت کے لئے مؤخر نہیں کیا۔ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں آسان ہے، بلکہ ان دونوں کے درمیان موازنہ ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ جب بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دنیا ہی میں گناہوں کی سزا دے دیتا ہے۔ اور جب اللہ بندہ کے ساتھ شر کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے گناہوں کو آخرت کے لئے باقی رکھتا ہے جس کی سزا اسے قیامت کے دن دے گا۔" 2

آپ جب اللہ پاک کی تربیت کو اس طرح قبول کریں گے جیسا کہ بیان کیا گیا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے اثرات اور اپنے لطف و کرم کی نشانیاں آپ کو دکھا دے گا۔

چوتھی بات: جب بندہ بری تقدیر کو اپنے حق میں مصیبت سمجھ لیتا ہے تو وہ اس کے لئے مصیبت ہی بن جاتی ہے۔ یہ معاملہ انسان کی سوچ اور اس کے گمان کے مطابق چلتا ہے۔ مناوی رحمہ اللہ کہتے ہیں 3: اللہ تعالیٰ بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ جو بندہ اپنے رب کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے تو وہ بندہ کو اس کے خیال کے مطابق پورا اجر دیتا ہے۔ اور جو بدشگونی کی طرف مائل ہوتا اور بدظنی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ جلد ہی اللہ کی سزا سے دوچار ہوتا ہے اور اس کے حصہ میں مصیبت ہی آتی ہے، اس لئے

---

1 السلسلۃ الصحیحۃ، یہ روایت تمام سندوں کو جمع کرنے سے صحیح قرار پاتی ہے۔

2 صحیح سنن الترمذی (حسن صحیح ہے)

3 الجزاء من جنس العمل (248)

کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بندہ کے ساتھ میرا معاملہ اس کے گمان اور خیال کے مطابق ہے، اگر اچھا گمان رکھتا ہے تو اس کے ساتھ اچھا معاملہ ہوتا ہے اور اگر برا گمان رکھتا ہے تو اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ اگر اس نے اچھا گمان کیا تو اسے خیر حاصل ہوگا اور اگر اس نے یہ گمان کیا کہ میں اس کے ساتھ برا معاملہ کر رہا ہوں تو اس کے ساتھ برا ہی معاملہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک دیہاتی کی عیادت کی، وہ بخار کی شدت کی وجہ سے تڑپ رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے اور مرض کی شدت کو برداشت کرنے کے لئے اس کی ہمت افزائی کرتے ہوئے فرمایا: "طھور" یعنی اللہ نے چاہا تو یہ تکلیف گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ثابت ہوگی، لیکن اس دیہاتی نے جواباً کہا: بلکہ یہ شدت بخار ہے جس کی تپش میں ایک معمر بوڑھا ابل رہا ہے اور لگتا ہے یہ اسے قبر میں پہنچا کے چھوڑے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: تب پھر یہ تمہارے گمان وخیال کے مطابق ہے۔

اللہ پاک کے نام "الرب" کی معرفت حاصل کرنے کے فوائد وبرکات

جس بندہ کو اللہ کے نام "الرب" کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو اسے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

1۔ وہ یہ جان لیتا ہے کہ حقیقت میں اللہ کے علاوہ کوئی پالنے اور تربیت کرنے والا نہیں ہے۔ اور رب جس طرح اپنی مخلوق کو پالتا اور اس کی تربیت کرتا ہے وہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

2۔ وہ اپنے رب کے اس نام کی کچھ خصوصیات اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ چنانچہ جس کی پرورش اور تربیت اس کے ذمہ ہوتی ہے اسے احسن طریقہ سے انجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے مرحلہ وار پروان چڑھاتا ہے اور اس کے مفادات کا خیال رکھتا ہے۔

3۔ وہ اپنے رب کی وحدانیت کو تسلیم کرنے والا ہوتا ہے اور اسے اس کے نام "الرب" ہی سے پکارتا ہے اور اسی کے ذریعہ اس سے دعا کرتا ہے۔ وہ اپنے رب سے اسی خاص تربیت کے حصول کے لئے سوال کرتا ہے۔ قرآن مجید میں انبیائے کرام کی بیشتر دعائیں اللہ پاک کے نام "الرب" ہی کے ذریعہ وارد ہوئی ہیں۔

آدم اور حواء علیہما السلام نے دعا کی تھی: "قالا ربنا ظلمنا أنفسنا و إن لم تغفر لنا و ترحمنا لنكوننّ من الخاسرين" (ان دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، اگر تو نے ہمارے گناہوں کو معاف نہ کیا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے)

نوح علیہ السلام نے ان الفاظ میں دعا کی تھی: "رب اغفرلی و لوالدیَّ و لمن دخل بیتی مؤمنا و للمؤمنین و المؤمنات" (اے میرے رب! تو مجھے، میرے والدین، ایمان کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہونے والوں اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کے گناہ معاف کر دے)

ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے ان الفاظ میں دعا کی تھی: "و إذا يرفع إبراهيم القواعد من البيت و إسماعيل ربَّنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم" (جب ابراہیم اور اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیاد اٹھا رہے تھے تو انہوں نے دعا کی: اے ہمارے رب! تو ہماری طرف سے اسے قبول فرما، بیشک تو سننے اور جاننے والا ہے۔)

عیسیٰ علیہ السلام نے ان الفاظ میں دعا کی تھی: "قال عيسى ابن مريم اللهم ربنا أنزل علينا مائدة من السماء" (عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے اللہ ہمارے رب! تو ہمارے اوپر کھانے کا دستر خوان نازل فرما)

4۔ وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور نشانی بندہ کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرنے کا مقصد ایک طرف اسے توبہ و استغفار کی طرف متوجہ کرنا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے پر آمادہ کرنا ہوتا ہے، دوسری طرف بندہ پر حجت تمام کرنا ہوتا ہے کہ اسے بار بار تنبیہ کی گئی۔ اور اللہ کے ہاتھوں وہی ہلاک ہوتا ہے جو اس کا مستحق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام "الرحمٰن الرحیم":

الرحمٰن اور الرحیم اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں، یہ دونوں رحمۃ سے مشتق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں رحمٰن ہوں، میں نے رحم (رشتہ داری) کو پیدا کیا اور اپنے نام ہی سے میں نے اس کا اشتقاق کیا۔ جس نے اسے جوڑا میں اسے جوڑتا ہوں اور جس نے اسے کاٹا میں نے اسے کاٹ دیا۔[1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ایسے نام ہیں جن میں رقت پائی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک میں دوسرے کے مقابلہ زیادہ رقت پائی جاتی ہے۔ یعنی ایک کے اندر رحمت کا مادہ دوسرے سے زیادہ ہے۔

الرحمۃ: یہ وہ صفت ہے جس سے اللہ پاک نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے، اپنی اس صفت کے ساتھ وہ عرش پر مستوی ہوا اور اسے اپنے لئے لازم کر لیا، اس اعتبار سے یہ اللہ پاک کی سب سے اہم صفت ہے۔ اور اللہ پاک کا یہ نام جس میں رحمت کی یہ صفت پائی جاتی ہے، اس کے ناموں میں سب سے اہم نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت رحمت کو اپنے دو ناموں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ ان میں پہلا نام "الرحمٰن" اور دوسرا "الرحیم" ہے۔ یہ تقسیم اس وجہ سے ہے کہ لوگ رحم کئے جانے کے معاملہ میں دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع و عریض ہے۔ ہر چیز اس کی رحمت سے مستفید ہوتی ہے، لیکن اسی کے ساتھ اللہ کی یہ رحمت بعض لوگوں تک پہنچتی ہے اور کچھ لوگ اس سے محروم رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے اللہ کی رحمت کے دو پہلو ہیں:

---

[1] مسند احمد اور سنن ترمذی کی یہ صحیح روایت ہے۔

ایک وسعت و کشادگی اور شمولیت۔

دوسرے اس کا بندوں اور مخلوقات تک پہنچنا۔

اللہ تعالیٰ کے نام رحمٰن میں جو رحمت کا مادہ پایا جاتا ہے وہ بہت وسیع ہے اور یہ تمام مخلوقات کو محیط ہے۔ دنیا کا ہر انسان اور ہر جاندار دن رات اللہ کی اس رحمت کے سایہ میں جیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کے دائرہ میں تمام مخلوقات داخل ہیں۔ اس میں انسان، جنات، مومن، کافر، جانور، چوپائے ساری مخلوق شامل ہیں۔ ایک گنہگار گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے، اللہ کی نافرمانی میں ملوث ہوتا ہے اس کے باوجود اللہ کی رحمت اس پر سایہ فگن رہتی ہے۔ گناہ اور نافرمانی کے باوجود وہ عام انسانوں کی طرح سانس لیتا ہے اور عام لوگوں کی طرح ہی اس کے سارے جسمانی اعضاء گردے، جگر اور پھیپھڑے کام کرتے رہتے ہیں، اس لئے کہ اللہ کی رحمت اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

جنین اپنی ماں کے پیٹ میں ایک بالکل تنگ و تاریک جگہ میں دنیا سے بالکل کٹا ہوا ہوتا ہے، وہاں اللہ کی رحمت اسے گھیرے ہوئے ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہاں بھی اسے غذا پہنچتی رہتی ہے۔

کوے کا چوزہ جب اپنے گھونسلہ میں انڈے سے باہر نکلتا ہے تو اس کے ماں باپ اسے چھوڑ دیتے ہیں اور اس سے اجنبیت برتتے ہیں، اس لئے کہ جب وہ انڈے سے باہر آتا ہے تو اس کی رنگت سیاہ کے بجائے سفید ہوتی ہے۔ کوؤں کی ذات برادری سے اس کی رنگت مختلف ہونے ہی کی وجہ سے اس کے ماں باپ اس کے ساتھ اجنبی جیسا سلوک کرنے لگتے ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کے لئے ایک خاص قسم کے کیڑے فراہم کرتا ہے جو اس کی چونچ تک پہنچتا ہے اور کوے کے اس چوزے کی خوراک بنتا ہے۔ اس خوراک کی وجہ سے اس کے پر سیاہ ہو جاتے ہیں، تب اس کے ماں باپ اس کے قریب آنے لگتے ہیں اور اس پر اپنی محبت نچھاور کرتے ہیں۔ یہاں بھی رب تعالیٰ ہی اس کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرتا ہے اور اسے

اولین رزق فراہم کرتا ہے۔

چوپائے اپنے کھروں کو اپنے بچے سے دور رکھتے ہیں تاکہ اسے گزند نہ پہنچ جائے۔ وحشی جانور اور درندے بھی اپنے بچے پر مہربان نظر آتے ہیں۔ کون ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں اور مخلوقات پر رحمت کی ایسی بارش کی ہے جس کی وجہ سے وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شفقت ومہربانی سے پیش آتے ہیں اور ایک دوسرے سے ہمدردی کا سلوک کرتے ہیں۔ بیشک وہ اللہ رحمٰن ورحیم کی ذات ہے۔

آیئے ہم ایک حدیث نبوی کی سیر کریں جس میں انسانی شفقت ومحبت کا ایک عجیب منظر پیش کیا گیا ہے تاکہ اللہ پاک کی رحمت کی حقیقت اور زیادہ ہمارے لئے منکشف ہو جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے، ان میں ایک ایسی عورت تھی جس کی چھاتی دودھ سے لبریز تھی، اسے قیدیوں میں کوئی بچہ نظر آتا تو اسے گود میں لے کر اپنے سینہ سے چمٹا لیتی اور اسے اپنا دودھ پلا دیتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھ کر ہم لوگوں سے دریافت فرمایا: کیا تم لوگ سمجھتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ کے حوالہ کر دے گی؟ ہم لوگوں نے عرض کیا: نہیں، یہ کبھی اپنے بچہ کو آگ میں نہیں پھینکے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عورت جتنی اپنے بچے پر شفیق ومہربان ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔ [1]

ایک ایسی ماں جس کا شیر خوار بچہ قیدیوں میں لاپتہ ہو گیا تھا اور اس کی چھاتی دودھ سے لبریز ہو رہی تھی۔ آپ کو اندازہ ہو گا کہ ایسی ماں کو کیسی تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے جس کی چھاتی میں دودھ جمع ہو اور پلانے کے لئے کوئی بچہ موجود نہ ہو۔ وہ عورت دوہری تکلیف سے گزر رہی تھی، ایک تو دودھ جمع ہونے کی جسمانی تکلیف میں مبتلا تھی، دوسری طرف وہ ایک نفسیاتی تکلیف سے بھی دوچار تھی جو اس کے لئے پہلی تکلیف

---

[1] متفق علیہ

سے بھی زیادہ سخت تھی، کیونکہ اس کا شیر خوار بچہ نہیں مل رہا تھا۔

اس حدیث کے شارحین میں سے ایک نے لکھا ہے کہ یہ عورت دوہری تکلیف کی وجہ سے ہوش و حواس گم کر بیٹھی تھی، اسی وجہ سے اسے قیدیوں میں جو بچہ نظر آجاتا اسے گود میں اٹھا لیتی اور اسے اپنے بچہ کی طرح سینہ سے لگا کر دودھ پلانے لگتی تھی تاکہ اس کی تکلیف کچھ کم ہو جائے۔ اسی طرح وہ ایک کے بعد دوسرے بچہ کے ساتھ کر رہی تھی، یہاں تک اسے اپنا بچہ مل گیا تو اس نے بچہ کو سینہ سے چمٹا لیا۔ یہاں حدیث کے الفاظ پر غور کرنا چاہیے کہ گود میں لینے یا گود میں اٹھا لینے کے الفاظ استعمال نہیں ہوئے ہیں بلکہ سینہ سے چمٹانے کی تعبیر استعمال کی گئی ہے۔ اس سے بچہ کے لئے اس عورت کی آخری درجہ کی رحمت و شفقت کا اظہار ہو رہا ہے۔

ایک طرف یہ عبرتناک اور اثر انگیز منظر ہے، دوسری طرف ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک عظیم مربی تھے، صحابہ کرام سے دریافت فرماتے ہیں کہ تم لوگوں نے اس ماں کو دیکھا اس نے اپنے بچہ کے ساتھ کیسی شفقت و محبت کا اظہار کیا، اپنے بچہ کو اس طرح سینہ سے چمٹانے والی ماں کیا اسے آگ میں پھینک سکتی ہے؟

صحابہ کرام نے عرض کیا: نہیں، اے اللہ کے رسول! ایسی ماں کیسے اپنے بچہ کو آگ کے حوالہ کر سکتی ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عورت جتنی اپنے بچہ پر شفیق و مہربان ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔

کوئی انسان آپ پر کتنا ہی مہربان کیوں نہ ہو، آپ کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ آپ پر اللہ کی رحمت اس سے کہیں زیادہ بڑی اور عظیم الشان ہے اور اس کا دائرہ بہت وسیع و عریض ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے بارے میں ارشاد فرمایاہے:"و رحمتی وسعت کلّ شیء" (میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے) ایک جگہ ارشاد ہے:"ربکم ذو رحمۃ واسعۃ" (تمہارارب وسیع رحمت کامالک ہے) ایک اور جگہ ارشاد ہے:"فانظر إلی آثار رحمۃ اللہ" (پس اللہ کی رحمت کے آثار وعلامات پر غور کرو)

رحمت مطلق طور پر سب سے وسیع دروازہ ہے۔ یہ اللہ کا سب سے عظیم الشان دروازہ ہے جو بندہ اس دروازہ پر دستک دیتاہے اس کے لئے اسے کھول دیاجاتاہے اور وہ اس میں داخل ہو جاتاہے۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت جس کی طرف اللہ کے نام "الرحیم" کے ذریعہ اشارہ کیاگیاہے:

اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت مومن بندوں کے لئے خاص ہے، اس سے کافروں کو محروم رکھا گیاہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کاارشادہے:"و کان بالمؤمنین رحیما" (اللہ مومنوں کے لئے رحیم ہے) یہاں اس نے یہ نہیں کہاکہ اللہ مومنوں کے لئے رحمٰن ہے۔

اللہ تعالیٰ کاارشادہے:"إن الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ أن لا تخافوا و لا تحزنوا و أبشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن أولیاءکم فی الحیاۃ الدنیا و فی الآخرۃ و لکم فیھا ما تشتھی أنفسکم و لکم فیھا ما تدعون نزلا من غفور رحیم" (حم السجدۃ/30-32)(ترجمہ:واقعی جن لوگوں نے کہاکہ ہماراپروردگار اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان کے پاس فرشتے یہ کہتے ہوئے آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو بلکہ اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیاگیاہے۔ تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے، جس چیز کو تمہاراجی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لئے جنت میں موجود ہے، غفور ورحیم کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے۔) یہاں پر "نزلا من غفور رحمٰن" نہیں کہاگیاہے۔ اور یہ خطاب مومنوں سے ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے نام رحیم کے ذریعہ جو رحمت ہوتی ہے وہ مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ کی یہ خصوصی رحمت اس کے خاص قسم کے مومن بندوں ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ دنیامیں ان خاص بندوں کو ہدایت کی توفیق عطاکر کے، دشمنوں پر فتح و

کامرانی نصیب کرکے اور شرور و فتن اور ہلاکتوں کو اس سے دور کرکے اور پاکیزہ زندگی عطا کرکے ان کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرتا ہے۔ اور آخرت میں انہیں جنت میں داخل کرکے اور اپنے دیدار سے لطف اندوز کرکے ان پر اپنی خصوصی رحمت نازل کرے گا۔ [1]

بندے کی زندگی پر ان دوناموں کے اثرات، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ کیسے ان کی تربیت کرتا ہے؟

1۔ انسان جب بھی سورہ فاتحہ کی تلاوت کرتا ہے اور اپنی زبان سے بار بار یہ دہراتا ہے کہ ہمارا رب رحمٰن اور رحیم ہے۔ اس نے اپنے اوپر اس عمومی رحمت کو لازم کرلیا ہے۔ اس کی رحمت اس کے غصہ پر سبقت کرنے والی ہے۔ جب وہ اس رحمت کے مدلول و مفہوم کو بھی اچھی طرح ذہن میں بٹھالیتا ہے کہ اللہ کی یہ رحمت سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس کی زندگی کی ایک ایک جزئیات اس کے دائرہ میں آتی ہے۔ یہ رحمت ایک ایک بندہ تک پہنچنے والی ہے۔ وہ چاہے جہاں بھی ہو جس حال میں ہو، اللہ کی یہ رحمت اس تک پہنچے گی، ان تمام باتوں کو ذہن میں بٹھالینے سے رب کی اس رحمت کے دائرہ میں داخل ہونے کا اس کا عزم پختہ ہوتا ہے، پھر وہ بار بار رب سے اس رحمت کو طلب کرنے لگتا ہے، اس لئے کہ اسے معلوم ہے کہ وہ اس کا محتاج ہے، بلکہ وہ اگر کسی چیز کا سب سے زیادہ محتاج ہے تو وہ اللہ کی یہی رحمت ہے۔ اس کا احساس ہو جانے کے بعد وہ اللہ کی اس رحمت کو فقر و ذلت اور الحاح و اصرار کے ساتھ طلب کرتا ہے اور یہ کہتے ہوئے اپنے رب کے سامنے اپنا دامن پھیلا دیتا ہے: "یا ربّ تغمدنی برحمتك" (اے رب! تو مجھ پر اپنی رحمت کا سایہ دراز کردے)

2۔ دوسری طرف جب بندہ کو اللہ کی اس رحمت کا شعور و ادراک ہو جاتا ہے تو ہمیشہ اپنے رب کی طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے، رب سے اس کی بہت سی امیدیں وابستہ ہو جاتی ہیں۔ اسے رب کی

---

[1] الأسماء الحسنیٰ جلالھا ولطائف اقترانھا، ص(42) معمولی حذف و اضافہ کے ساتھ

رحمت پر بھروسہ ہو جاتا ہے کہ اگر اس نے رب کی طرف رجوع کیا تو وہ اسے بے یار و مدد گار نہیں چھوڑے گا، نہ کسی کے حوالہ کرے گا اور نہ دھتکارے گا، چاہے اس کے گناہ جتنے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں، چاہے وہ کسی ایک گناہ کا برسوں ارتکاب کرتا رہا ہو، چاہے اس کا ماضی کا نامۂ اعمال گناہوں سے سیاہ ہی کیوں نہ ہو چکا ہو۔ اس کے باوجود اسے رب کی اس رحمت پر یقین اور بھروسہ ہوتا ہے جو نہایت وسیع و عریض، ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے اور ایک ایک مخلوق تک رسائی رکھتی ہے اور کوئی بندہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے دور نہیں ہوتا۔

سفاکیت اور خونریزی میں شہرت رکھنے والا حجاج بن یوسف جس نے نہ جانے کتنے مسلمانوں کا خون بہایا تھا، جان کنی کے عالم میں جب موت اور اس کی سختیوں کا مشاہدہ کیا تو وہ یہ کہتے ہوئے اپنے رب سے اس کی رحمت کا طلبگار ہوا "يا رب ارحمني فإنهم يظنون أنك لا تفعل" (اے میرے رب! مجھ پر رحم فرما، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تو مجھے اپنی رحمت سے محروم کر دے گا) اللہ اکبر، اس دعا میں کتنا رب سے وابستگی کا اظہار ہے اور کس قدر اس میں امید و رجاء کی کیفیت ہے، خاص طور پر اس وقت جب بندہ آخری وقت میں دل و جان سے رب کی متوجہ ہو کر اسے پکار رہا ہو۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ان الفاظ کے ساتھ دعا کرتے تھے: "اللهم إن لم أكن أهلا لرحمتك فإن رحمتك أهل أن تبلغني، رحمتك وسعت كل شيء و أنا شيء فلتسعني رحمتك يا أرحم الراحمين" (اے اللہ! اگر میں تیری رحمت کا اہل نہیں ہوں تو تیری رحمت مجھ تک پہنچنے کی اہل ہے، تیری رحمت ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور میں بھی ان چیزوں میں ایک چیز ہوں، لہٰذا اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے! تیری رحمت مجھ پر بھی سایہ فگن ہو جائے اور میں اس سے محروم نہ رہوں۔)

3۔ سب سے عظیم چیز جس کے ذریعہ آپ خود کو رب کی رحمت کا مستحق بنا سکتے ہیں، یہ ہے کہ آپ

اپنے نفس کو پاک وصاف رکھیے اور اس کا تزکیہ کرتے رہیے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس کی صفائی کرنے والے کی تعریف کی ہے۔ اس کا ارشاد ہے: "قد أفلح من زكّاها" (الشمس/9)(ترجمہ: جس نے اسے (یعنی نفس کو) پاک کیا وہ کامیاب ہوا) اور رب کی رحمت کا مستحق بننے کا ذریعہ ہے کہ آپ اسے درجۂ کمال تک پہنچانے کے لئے زینہ بزینہ آگے بڑھیے اور اسے بلندی تک پہنچانے کی کوشش کیجئے، اس لئے کہ کم تر اور حقیر چیز پر وہی قانع ہوتا ہے جو کمتر اور حقیر ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ بلندی کے حامل امور و معاملات کو پسند کرتا ہے اور گھٹیا و کمتر امور و معاملات کو ناپسند کرتا ہے۔"[1]

یہ بات صحیح ہے کہ درجۂ کمال کو پہنچنا اتنا آسان کام نہیں ہے، اس لئے کہ وہ مشکل اور دشوار گزار مرحلہ ہے۔ لیکن کم از کم درجۂ کمال تک پہنچنے کا ہدف تو متعین کرنا ہی چاہیے تاکہ آپ اس مقام تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ اور جو بلندی اور عزت و رفعت کا طالب ہوتا ہے وہ اس کے اسباب بھی اختیار کرتا ہے۔

ألم تر أن الله قال لمريم — إليك فهزى الجذع يساقط الرطب

و لو شاء أن تجنيه من غير هزها — جنته و لكن كل شيء له سبب

(کہا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام سے کہا: تم کھجور کے درخت کے پاس جاؤ اور اس کے تنے کو ہلاؤ تو تازہ کھجوریں نیچے گریں گی۔ اگر اللہ چاہتا تو تنے کو ہلانے کے بغیر بھی مریم علیہا السلام کو کھجوریں حاصل ہو جاتیں، لیکن ہر چیز کا ایک ذریعہ و سبب ہوتا ہے۔)

چنانچہ آپ کے لئے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ آپ اپنے نفس پر بہت زیادہ محنت کریں، اس کی تادیب و تہذیب کریں اور اسے صیقل کر کے چمکائیں تاکہ اس کے ذریعہ آپ اپنے مقصود اور ہدف تک پہنچ سکیں۔

---

[1] طبرانی کی روایت ہے، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے (علو الھمۃ 130)

بلندی کا چاہے کوئی بھی سفر ہو اس میں تھکاوٹ اور مشقت تو ہوتی ہی ہے۔ فوائد، خیر و برکات، لذتیں اور کمالات بغیر مشقت کے حاصل نہیں ہوتی ہیں۔ تھکاوٹ و جانفشانی سے گزرنے کے بعد ہی کوئی وہاں تک پہنچ سکتا ہے۔

فقل لمرجی معالی الأمور بغیر اجتهاد رجوت المحالا

(بلندی کے طالب سے کہہ دیجئے کہ محنت و کوشش کے بغیر تم نے ایک محال چیز کی تمنا کی ہے۔)

اس ہدف کو حاصل کرنے کی راہ میں۔۔۔

اپنے باطن کی اصلاح و تزکیہ سے آغاز کیجئے، اپنے دل کو نفس پرستی سے دور رکھنے کی کوشش کیجئے۔ تبدیلی ہمیشہ اندرون سے شروع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إنّ الله لا يغفر ما بقوم حتى يغيّر و اما بأنفسهم" (اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو تبدیل کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔)

باطن کی اس اصلاح اور تبدیلی کو بتدریج آگے بڑھایئے۔ اگر کسی اچھی عادت کو اختیار کرنا مشکل ہو رہا ہو تو شروع میں اسے بہ تکلف اختیار کیجئے تاکہ وہ وقت کے ساتھ اور کثرت مشق کے ذریعہ آپ کی عادت و مزاج کا جزء اور آپ کی ایک صفت بن جائے۔

اس راہ پر آگے بڑھنے میں مدد اس سے ملے گی جب آپ اپنے رب کی نازل کردہ کتاب ہدایت میں غور و فکر کرنا شروع کریں گے۔ وہاں آپ دیکھیں گے کہ کسی کام کو بتدریج انجام دینا مخلوقات کے تعلق سے اللہ کا طریقہ ہے۔ وہ کسی کو کوئی چیز ایک دم سے عطا نہیں کرتا ہے۔ مخلوق کی طرف سے عجلت کا مظاہرہ کئے جانے کے باوجود وہ عجلت سے کام نہیں لیتا ہے۔ اس کے لئے آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ "علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور حلم و بردباری اس کی عادت

ڈالنے سے پیدا ہوتی ہے۔

اگر آپ حلیم و بردبار بننا چاہتے ہیں تو شروع میں آپ کو بہ تکلف غصہ کو برداشت کرنے کی عادت ڈالنی ہو گی۔

اگر آپ حکمت و دانائی سے متصف ہونا چاہتے ہیں تو آپ کو صبر و انتظار کی عادت ڈالنی ہو گی اور عجلت پسندی سے بچنا ہو گا۔ اسی طرح دیگر عمدہ اوصاف کے لئے مشق اور محنت کرنی ہو گی۔

جب آپ اصلاح نفس کی راہ میں بتدریج آگے بڑھ رہے ہوں گے تو آپ کو کمی کا بھی احساس ہو گا اور اپنی کوتاہیوں پر بھی آپ کی نگاہ پڑے گی۔ ایسی صورت میں اپنے نفس کے ساتھ کچھ نرمی برتیئے اور اسے مکمل طور پر ناکام و نامراد مت کیجئے، اپنے نفس سے یہ وعدہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ حسن عمل کا مظاہرہ کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔ آپ اپنے نفس کے تئیں بہت زیادہ صبر و برداشت سے کام لیجئے۔ آپ صبر کرنے کے معاملہ میں اپنے رب کو اپنا نمونہ و آئیڈیل بنایئے کہ وہ اپنے بندوں کی کوتاہیوں پر مسلسل صبر کرتا ہے اور اس کی طرف سے بندے کی تربیت کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "کوئی بھی انسان تکلیف دہ بات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں ہے۔ لوگ اللہ کے لئے اولاد ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور وہ انہیں معاف کرتا ہے اور رزق دیتا ہے۔"[1] آپ کو یہ سارے فضائل و خصائص ایک دن یا چند گھنٹوں میں حاصل ہونے والے نہیں ہیں، اس کے لئے آپ کو صبر، برداشت، مجاہدہ اور استقامت کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یا أیها الذین آمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا و اتقوا الله لعلکم تفلحون" (آل عمران/200)(ترجمہ: اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لئے تیار رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے

---

[1] متفق علیہ

رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو) اس آیت مبارکہ میں جن تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے اگر آپ ان پر عمل کر گزریں تو آپ کو اس راہ میں کامیابی ضرور ملے گی۔

☆ آپ اپنی غلطیوں، لغزشوں، ناکامیوں، عدم حصولیابیوں اور اپنے ماضی کو دوسروں سے پوشیدہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ پردہ پوشی کرنے والا ہے اور وہ پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے۔ اور سب سے ترجیح یافتہ ستر پوشی یہ ہے کہ آپ اپنی کمیوں کو دوسروں کے سامنے آشکارانہ کریں۔ آپ اس نکتہ کو یاد رکھیں کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جس نے لغزش نہ کھائی ہو۔ ابتداء میں کمی اور کوتاہی کا اعتبار نہیں ہے، انتہاء اگر کمال پر ہو تو اس کا اعتبار ہے۔

☆ یہ بات ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہنی چاہیے کہ انسان کے باطن کا اعتبار کر کے اللہ تعالیٰ بندہ کو نجات عطا کرتا ہے۔ یہ معاملہ دل کا معاملہ ہے۔ دل میں جو کچھ ہوتا ہے اور دل میں جو چیز جگہ بنا لیتی ہے، اس کا اعتبار ہوتا ہے۔ رافعی کے بقول: ”لوگوں کی نگاہ میں لوگوں کا ظاہری روپ ہوتا ہے۔ لوگ اس کی ہیئت اور حلیے کا اعتبار کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے دل کی حالت کا اعتبار ہوتا ہے۔ انسان کے جسم اور اس کے دل کی مثال انڈے کی ہے جس کے اوپر تو چھلکا ہوتا ہے لیکن چھلکے کے اندر جو چیز ہوتی ہے وہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ آپ چھلکے کو اس وجہ سے اہمیت دیں کہ لوگ اسی کا اعتبار کرتے ہیں اور آپ چھلکے کے اندر کی چیز کو کوئی اہمیت نہ دیں۔

☆ آپ اس بات کا بھروسہ رکھیں کہ اگر آپ اپنی اصلاح، تزکیۂ نفس اور بلندی کی طلب کے معاملہ میں اپنے رب کے ساتھ سچے ہیں اور اس کے ذریعہ آپ رب کے پسندیدہ مقام تک پہنچنے کے خواہشمند ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی سچائی کا اعتبار کرے گا، اسی کے مطابق آپ کے ساتھ معاملہ کرے گا اور آپ کی کوشش و محنت کو کامیاب کرے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا اس طرح ہو گیا جیسا وہ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندہ کے تصور

سے بڑھ کر اس کا ساتھ دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إنه من يتق و يصبر فإنّ الله لا يضيع أجر المحسنين" (بیشک جو پرہیز گاری اختیار کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ہے۔)

☆ آپ یہ جان لیں کہ اللہ پاک دنیا و آخرت دونوں کا رحمٰن و رحیم ہے، لہٰذا آپ عبادت، شکر گزاری اور دعا و مناجات کے ذریعہ اس کی طرف متوجہ ہوں اور آپ ہر معاملہ میں اپنے رب کو پکاریں۔

آپ اس حدیث کو دل کی توجہ کے ساتھ سنیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور آپ کے دل کو کھول دے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے والد ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: تم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ دعا سنی ہے جو آپ نے مجھے سکھائی ہے؟ میں نے دریافت کیا: وہ کونسی دعا ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ دعا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو سکھاتے تھے۔ آپ نے فرمایا: اگر کسی کے اوپر سونے کے پہاڑ کے برابر قرض ہو اور وہ اس دعا کا اہتمام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے قرض کی ادائیگی کے اسباب پیدا کر دے گا: "اللهم فارج الهمّ كاشف الغمّ مجيب دعوة المضطرّين رحمٰن الدنيا و الآخرة و رحيمها أنت ترحمني فارحمني برحمة تغنيني بها عن رحمة من سواك" (اے اللہ! غم میں کشادگی دینے والے، تفکرات کو دور کرنے والے، پریشان حالوں کی پکار کو سننے اور ان کی پریشانی کو دور کرنے والے، دنیا و آخرت کے رحمٰن و رحیم، تو ہی مجھ پر رحم کرتا ہے۔ تو مجھ پر اپنی ایسی رحمت کر دے کہ میں تیرے سوا کسی اور کی رحمت کا محتاج نہ رہوں) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے اوپر کچھ قرض باقی تھا، اور میں قرض کو ناپسند کرتا تھا۔ میں اس دعا کو پڑھتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے فائدہ عطا کیا اور میرے قرض کی ادائیگی کا انتظام کر دیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا مجھ پر ایک دینار اور تین درہم قرض تھا۔ وہ میرے پاس آتی تو شرمندگی کی وجہ سے میں ان سے نظر ملا کے بات نہیں کر پاتی تھی، اس لئے کہ ان کا قرض ادا کرنے کی کوئی سبیل مجھے نظر نہیں

آتی تھی۔ تو میں ان کلمات کے ذریعہ دعا کرتی تھی، کچھ ہی عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے مال عطا کر دیا جو نہ تو صدقہ تھا اور نہ میراث کا مال تھا۔ اس طرح اللہ نے میرے قرض کی ادائیگی کا انتظام کر دیا۔ میں نے اس میں سے اچھا خاصہ حصہ اپنے گھر کے لوگوں میں تقسیم کیا، تین اوقیہ چاندی کا اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی بیٹی کے لئے زیور بنا دیا، اس کے بعد بھی میرے پاس اچھا خاصہ مال باقی بچ گیا۔ 1

☆ اپنے آس پاس کے لوگوں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرنا اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے اسباب میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ دوسروں پر رحم کرنے والے اللہ کے بندے اس کی رحمت کے مستحق بنتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں: "اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔ 2 انسان کی سب سے بڑی بد بختی یہ ہے کہ اس کے دل سے رحم کا مادہ ختم کر دیا جائے۔ بد بخت اور محروم انسان کے دل سے ہی رحم کا مادہ ختم کر دیا جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا ہے۔" 3 جس شخص کے دل میں رحم کا مادہ نہ ہو وہ اپنے والد، بچوں، بیوی، مسکین، یتیم اور کمزور پر رحم کرنے کا کوئی جذبہ نہ رکھتا ہو، کسی مصیبت زدہ، مغموم اور مظلوم کے لئے اس کے دل میں کوئی ہمدردی و رحم نہ ہو تو ایسا شخص بدرجہ اولیٰ اللہ کی رحمت سے محروم رہنے کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اگر آپ مخلوق پر رحم کریں گے اور ان کے ساتھ نیکی و بھلائی کا معاملہ کریں گے تو مخلوق کا رب آپ پر رحم کرے گا اور اپنی نوازشات کے دروازے آپ کے لئے کھول دے گا۔ "إن رحمت الله قريب من المحسنين" (بیشک اللہ کی رحمت نیکی و بھلائی کرنے والوں کے قریب ہے۔)

---

1 حاکم کی نقل کردہ روایت، انہوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

2 متفق علیہ

3 متفق علیہ

اللہ تعالیٰ کا نام "الولیّ"

الولی: یعنی اپنے مخلوق کے معاملات زندگی کا متولی و سرپرست اور اس کی ملکیت کے تحت آنے والی ہر چیز کی تدبیر کرنے والا۔

یہ سرپرستی وولایت دو طرح کی ہے: عام سرپرستی اور خاص سرپرستی۔

عام سرپرستی: اس کے دائرہ میں ساری مخلوق آتی ہے۔ اس کے تحت اللہ تعالیٰ تقدیریں متعین کرتا ہے اور مخلوق کے معاملات زندگی کی تدبیر کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات عطا کرتی ہے، کسی چیز کو روک لیتی ہے، عزت دیتی ہے، ذلت سے ہمکنار کرتی ہے، پستی میں دھکیلتی ہے، بلندی عطا کرتی ہے اور رزق و تقدیریں متعین کرتی ہے۔ یہ عام سرپرستی ہے۔ کسی کی مخالفت اور نزاع کے بغیر وہ بندوں کے معاملات کی سرپرستی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أم اتخذوا من دونہ أولیاء فاللہ ھو الولیّ و ھو یحی الموتی و ھو علی کل شیء قدیر" (الشوری/9)(ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز بنا لیے ہیں، حقیقتاً تو اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے، وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے) دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "و ھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا و ینشر رحمتہ و ھو الولیّ الحمید" (الشوری/28)(ترجمہ: اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، وہی ہے کارساز اور قابل حمد وثنا)

خاص سرپرستی: یہ ایک عظیم اور اعزاز یافتہ سرپرستی ہے۔

اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندے کو گناہوں سے بچاتا ہے، اس کی طرف اپنی خاص توجہ مبذول کرتا ہے، اس کے ذریعہ بندہ کو رب کی مدد، محبت اور قربت حاصل ہوتی ہے، ہر معاملہ میں اللہ اس کی کفایت کرتا ہے، اسے توفیق وثابت قدمی عطا کرتا ہے، ہر طرح سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کا دفاع کرتا ہے۔

اس کی سرپرستی میں آنے کے بعد بندہ پر اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ جب بندہ کو اپنی خاص سرپرستی سے نوازتا ہے تو اسے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اللہ ولیّ الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات إلی النور" (البقرۃ/257) (ترجمہ: ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے)

جب بندہ جہالت و غفلت کا شکار ہو جاتا ہے، آخرت کو فراموش کر بیٹھتا ہے یا دنیا کے کسی معاملہ میں اس کے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں اور وہ گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے یا دین کی راہ پر چلتے ہوئے سستی و سرد مہری کا شکار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی حالت پر نہیں چھوڑتا بلکہ جلد ہی اسے اس گندگی و آلائش سے باہر نکال دیتا ہے اور پستی و ذلت سے بلندی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔ یا اپنے کسی بندہ کو اس کے پاس بھیج کر غفلت کی نیند سے اسے جگاتا ہے، وہ بندہ اس کا ہاتھ پکڑ کے دوبارہ اللہ کی راہ پر اسے گامزن کر دیتا ہے۔ یہ بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی خصوصی ولایت و سرپرستی ہے۔

2۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنی خصوصی سرپرستی سے نوازتا ہے تو اس کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اس کے لئے اس طرح کافی ہو جاتا ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

اس کو سمجھنے کے لئے مشہور صحابی رسول اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا قصہ ہمارے لئے کافی ہے۔ وفات سے قبل انہوں نے اپنے صاحبزادہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے بیٹے! میری طرف سے میرے قرض کو ادا کر دینا۔ قرض بھی کتنا؟ بارہ لاکھ۔ قرض کی مقدار بہت زیادہ تھی، زبیر رضی اللہ عنہ کے مال سے اس کی ادائیگی نہیں ہو سکتی تھی۔

زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند سے یہ بھی کہا کہ اگر ان قرضہ جات کی ادائیگی میں تمہیں دشواری

پیش آئے تو اس کے لئے میرے مولیٰ سے مدد طلب کرنا۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: ابا جان! کون آپ کا مولیٰ ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے قرضہ جات کی ادائیگی میں مجھے جب بھی تنگی و پریشانی محسوس ہوئی تو میں نے دعا کی: اے زبیر کے مولی! ان کے قرض کی ادائیگی فرمادے، اللہ تعالیٰ فوراًہی ان کے قرض کی ادائیگی کے اسباب مہیا فرمادیتا۔ 1

زبیر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی ولایت و سرپرستی طلب کی تو اللہ نے انہیں اپنی سرپرستی سے نواز دیا اور ان کے قرضہ جات کی ادائیگی کے اسباب فراہم کر دیئے، بلکہ ان کے باقیماندہ مال میں بھی حیرت انگیز برکت عطا کی اور ان کی ہر زوجہ کے حصہ میں دس لاکھ کی میراث آئی۔

جب اللہ پاک آپ کو اپنی سرپرستی سے نواز دیتا ہے تو آپ کے مال اور ہر چیز میں بے حد و حساب برکت عطا کرتا ہے جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سبحانہ و بحمدہ (اللہ کی ذات پاک و بے عیب ہے اور وہی حمد و ثنا کے لائق ہے۔)

3۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنی سرپرستی میں لیتا ہے تو رب کی خاص توجہ اسے ہر طرف سے اپنی حفاظت کے دائرہ میں لے لیتی ہے۔ اوپر سے، نیچے سے، آگے سے، پیچھے سے، بچپن میں بھی اور معمر ہونے کے بعد بھی۔

موسیٰ علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کیجئے: "و لتصنع علی عینی" (طہ/39) (ترجمہ: تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے) یعنی تاکہ تم میری نگاہوں کے سامنے اور میرے حفظ و امان اور میری سرپرستی میں پرورش پاؤ۔ اس طرح رب کریم نے موسیٰ علیہ السلام کی خاص انداز میں پرورش و پرداخت کی۔

1۔ فتح الباری، کتاب المناقب

رب تعالیٰ نے فرعون کے محل میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا انتظام کر دیا، وہ بھی اس طرح کہ کوئی انہیں گزند نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اللہ نے انسانی دلوں میں ان کی محبت بھی ڈال دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "و ألقيت عليك محبة منى " (طہ / 39)(ترجمہ: اور میں نے اپنی طرف سے خاص محبت و مقبولیت تجھ پر ڈال دی) جو شخص بھی ان کو دیکھتا تو ان سے محبت کرنے لگتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والیوں کو حرام کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی والدہ کے علاوہ کسی بھی عورت کا دودھ قبول نہیں کیا۔ اس طرح اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کے پاس لوٹا دیا اور فرعون نے خود اپنی طرف سے اس رضاعت کی اجرت ادا کی اور اس دودھ پلانے والی خاتون کی تکریم کی۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی شروع سے ہر قسم کے انحرافات اور ظلم و فساد سے حفاظت کی جو فرعون کے محل میں رہنے والوں کی زندگی کا معمول تھا۔ زندگی کے ہر مرحلہ میں اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہی۔ یہ درحقیقت ان کے لئے اللہ کی ولایت و سرپرستی ہی تھی۔

4۔ جب بندہ کو اللہ تعالیٰ کی سرپرستی حاصل ہو جاتی ہے تو وہ ہر قسم کے وسوسے، شکوک و شبہات اور غلط قسم کے میلانات کو دور کر کے دل کو ان آلائش سے پاک کر دیتا ہے اور ایمان کی حفاظت کرتا ہے۔

یہ انسان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے کہ اس کا دل ان آلائشوں سے محفوظ رہے۔ یہ وسوسے اور غلط قسم کے افکار و میلانات اچانک انسان کے دل پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ بعض اوقات انسان انہیں روک پانے کی استطاعت بھی نہیں رکھتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اندر سے تکلیف محسوس کرتا ہے، دل کے اندر اضطراب و بے چینی محسوس کرتا ہے اور ایمان کی راہ پر اس کا قدم ڈگمگانے لگتا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ بندہ کی سرپرستی قبول کر لیتا ہے تو ان وساوس اور شکوک و شبہات کو دور کرنے میں اسے دیر نہیں لگتی، اس کی رحمت سے شکوک کے یہ بادل چھٹ جاتے ہیں۔ وہ بندہ کے دین و ایمان کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے

دل کو اس طرح مضبوط کر دیتا ہے کہ شکوک و شبہات اس پر اثر نہیں کرتے۔

آپ غور کیجئے جب غزوۂ احد کے موقع سے منافقوں کا سردار عبد اللہ بن ابی لشکر اسلام میں سے اپنے ایک تہائی ساتھیوں کو لے کر مدینہ واپس آگیا تو کچھ مسلمانوں کے دل اس صورت حال کی وجہ سے مضطرب اور پریشان ہو گئے۔ یہ لوگ بنو حارثہ اور بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کو چھوڑ کر مدینہ واپسی کا ارادہ کر لیا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اس صورت حال کی منظر کشی کی گئی ہے: "أذ همّت طائفتان منكم أن تفشلا و الله وليهما و على الله فليتوكل المؤمنون" (آل عمران / 122) (ترجمہ: جب تمہاری دو جماعتیں پست ہمتی کا ارادہ کر چکی تھیں، اللہ تعالیٰ ان کا ولی و مدد گار ہے، اور اسی پاک ذات پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے) یہ منفی فکر اس طرح غیر محسوس طور پر انسان کے دل میں جگہ بنالیتی ہے کہ لوگوں کو اس کا علم نہیں ہو پاتا، لیکن اللہ تعالیٰ دلوں کے حال سے باخبر ہے۔ وہ دل میں کھٹکنے والی باتوں، نیتوں اور مقاصد و احوال سب سے واقف ہے۔ جب اللہ کو بندہ کی سچائی و اخلاص کا علم ہو جاتا ہے تو وہ اس کی سرپرستی فرماتا ہے اور اس کے معاملات زندگی کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ اور شکوک و شبہات و منفی کیفیات کو اس کے دل سے دور کر دیتا ہے۔

5۔ اللہ تعالیٰ جب بندہ کا سرپرست بن جاتا ہے تو اس کے اعضاء کو گناہوں سے بچاتا ہے، گناہوں سے بچنے میں اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے اعضاء کو اطاعت کے کاموں میں لگا دیتا ہے۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "بندہ کا فرائض کی پابندی کے ذریعہ میری قربت حاصل کرنا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ بندہ نوافل کے اہتمام کے ذریعہ مسلسل مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا

ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔"[1]

جب سننے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی جاتی ہے تو وہ حرام نہیں سنتا، دیکھنے میں اس کی مدد کی جاتی ہے تو وہ حرام کو نہیں دیکھتا اور نہ حرام کی طرف قدم بڑھاتا ہے، اس کا دل حرام و مشکوک و مشتبہ چیز کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ لکھتا ہے، جو کچھ اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے، جو کچھ اپنی زبان سے کہتا ہے اور جس کام کے لئے اپنے پاؤں سے چل کے جاتا ہے سب میں برکت عطا کی جاتی ہے۔ یعنی اس کی صبح و شام، اس کے قول و عمل اور اس کی آمد و رفت سب میں برکت رکھ دی جاتی ہے اور اللہ کی طرف سے اس کی رہنمائی و اصلاح کی جاتی ہے۔ یہ سب اللہ کی اعانت کی صورتیں ہیں اور یہ اعانت و مدد اللہ تعالیٰ کی ولایت و سرپرستی کی ایک شکل ہے۔

اہلیت و صلاحیت کے بغیر کسی کو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ عنقریب اسے اللہ تعالیٰ کی ولایت و سرپرستی حاصل ہو جائے گی۔

اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا ولی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے اس کی تعریف و پہچان کی گنجائش نہیں باقی رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ولی کی تعریف کرتے ہوئے اپنی کتاب ہدایت میں ارشاد فرمایا ہے: "ألا إن أولياء الله لا خوف عليهم و لا هم يحزنون الذين آمنوا و كانوا يتقون" (یونس/62-63)(ترجمہ: یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور برائیوں سے پرہیز رکھتے ہیں)

اللہ کے ولی کی پہلی صفت اللہ پر خالص ایمان اور دوسری صفت اللہ کا تقوی اور ڈر ہے۔ جب ہم اوپر نقل

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق

کی گئی حدیث قدسی پر غور کرتے ہیں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ بندہ فرائض کی پابندی کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے اور اس کے ذریعہ تقرب الٰہی کا حصول رب تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس حدیث قدسی کے ذریعہ ہمیں اولیاء اللہ کی ایک تیسری صفت کا بھی علم ہوتا ہے اور وہ ہے فرائض کا اہتمام اور اس کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ہے: ولی اللہ سے مراد وہ عالم دین ہے جو اطاعت الٰہی کا پابند اور رب کی عبادت میں مخلص ہو۔ 1

لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ولایت و سرپرستی میں داخل ہونے کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ولایت کے مراتب اور درجات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ثم أورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه و منهم مقتصد و منهم سابق بالخيرات بإذن الله ذلك هو الفضل الكبير" (فاطر/32)(ترجمہ: پھر ہم نے ان لوگوں کو اس کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں۔ یہ بڑا فضل ہے۔)

اس آیت کی روشنی میں اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں:

ایک متوسط درجے کے لوگ جنہیں قرآن مجید میں "أصحاب اليمين" داہنے ہاتھ والے کہا گیا ہے۔

دوسرے نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والے۔ قرآن مجید میں ان کو "المقربون" (اللہ کا تقرب حاصل کرنے والے) کہا گیا ہے۔

متوسط درجے والے سے وہ مومن مرد و عورت مراد ہیں جو فرائض و واجبات کی پابندی اور محرمات سے

1۔ فتح الباری (14/126) بحوالہ قواعد والفوائد من الأربعین النوویۃ، مرتب: محمد سلطان

دور رہنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اپنی نماز، روزے، زکاۃ اور دیگر تمام فرائض کو فکر مندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ فرائض و واجبات میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے لیکن ان میں نوافل کا بہت اضافہ نہیں کرتے۔ کبھی نوافل و مستحبات کو چھوڑ بھی دیتے ہیں اور کبھی بعض مکروہات کا بھی ارتکاب کر لیتے ہیں۔

یہ ولایت کا پہلا زینہ ہے جس کے بارے میں اوپر نقل کردہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ "بندہ کا فرائض کی پابندی کے ذریعہ میری قربت حاصل کرنا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔"

اولیاء اللہ کی دوسری قسم وہ ہے جو خیر کے کاموں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ متوسط درجے والوں سے مقام و مرتبہ میں بلند تر ہیں۔ یہ لوگ فرائض و واجبات کے علاوہ نوافل کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ نوافل کی ادائیگی کے لئے کوشش و محنت کرتے ہیں، اطاعت الٰہی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیتے ہیں، اس معاملہ میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ وہ محرمات کے علاوہ مکروہات سے بھی دور رہتے ہیں، وہ مشتبہ چیزوں سے بھی بچتے ہیں اور تقوی و پرہیز گاری کے ذریعہ دین کو حاصل کرتے ہیں۔

ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مکمل ولایت و سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی مدد و اعانت کی ذمہ داری سنبھالتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی قسم کے لوگ جو متوسط درجے سے تعلق رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی سرپرستی نہیں فرماتا ہے۔ یہ متوسط درجے والے بھی اولیاء اللہ کے زمرہ میں آتے ہیں اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے، لیکن وہ ان مقربین کے درجے میں نہیں ہوتے، خیر و بھلائی کی طرف سبقت کرنا جن کا شیوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام "الحفیظ"

اللہ تعالیٰ کا نام "الحفیظ" فعیل کے وزن پر ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ بہت زبردست اور عظیم الشان طریقہ سے حفاظت کرنے والا ہے۔ اس کی حفاظت ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

یہ حفاظت دو طرح کی ہوتی ہے:

ایک عام حفاظت، دوسری خاص حفاظت۔

عام حفاظت میں ساری مخلوق شامل ہے۔ اس کے دائرہ میں مومن کافر، نیک و بد، آسمان و زمین، سمندر اور چوپائے سب آتے ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "إنَّ ربّی علی کلّ شیء حفیظ" (ھود/57)(ترجمہ: یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔) دوسری جگہ ارشاد ہے: "و ربك علی کل شیء حفیظ" (سبا/21)(ترجمہ: اور آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔)

اللہ پاک آسمانوں اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے سب کی نگہبانی و حفاظت کرتا ہے۔ بسا اوقات ہمیں یہ شعور و ادراک بھی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان عظیم الشان مخلوقات کی حفاظت و نگہبانی کیسے کی جارہی ہے، اس لئے کہ یہ ہمیشہ ہمیں اپنی اصلی حالت پر برقرار نظر آتے ہیں۔ ہمیں اس کا ادراک تب ہوتا ہے جب بھیانک زلزلے، ہلاکت خیز سیلاب اور آندھیاں آتی ہیں یا کہیں آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑتا ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ جان بچانے کے لئے راستوں پر بھاگ رہے ہیں، درخت اکھڑ جاتے ہیں، مکانات ہلنے لگتے ہیں، زمین پھٹ جاتی ہے، اس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگہبانی کا احساس ہوتا ہے۔ اور اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی حقیقت کو بہت قریب سے محسوس کرنے لگتے ہیں: "و جعلنا السماء سقفاً محفوظا و ھم عن آیاتھا معرضون" (الأنبیاء/32)(ترجمہ: آسمان کو محفوظ چھت بھی ہم نے ہی

بنایاہے، لیکن لوگ اس کی قدرت کے نمونے پر دھیان ہی نہیں دیتے۔) دوسری جگہ ارشاد ہے: "و یمسك السماء أن تقع علی الأرض إلّا بإذنہ" (الحج/65) (ترجمہ: وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی اجازت کے بغیر گر نہ پڑے۔) یہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگہبانی ہی ہے جس کی وجہ سے آسمان نہ حرکت کرتا ہے، نہ ایک طرف جھکتا ہے اور نہ زمین پر گرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی مشقت و کلفت کے بغیر ان بھاری بھر کم مخلوقات کی حفاظت و نگہبانی کرتا ہے۔ اس کے لئے ادنی درجہ کی مشقت و تھکن اسے لاحق نہیں ہوتی جیسا کہ خود اس نے اس کی وضاحت فرمادی ہے: "وسع کرسیہ السماوات و الأرض و لا یؤدہ حفظھما و ھو العلیّ العظیم" (البقرۃ/255) (ترجمہ: اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا نہ اکتاتا ہے، وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔)

اللہ کے اس فرمان کے اندر اس کی حفاظت کی وسعت پر غور کریں (کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو) ہر نفس پر ایک محافظ مکلف ہے جو حکم الٰہی سے اس کی حفاظت کرتا ہے' یہ محافظ اللہ کے معزز فرشتے ہیں۔ یہ فرشتے انسان بیداری کی حالت میں، نیند کی حالت میں، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، داخل ہوتے اور نکلتے وقت، اور سفر و حضر میں ہلاکت و خطرناکی اور برے انجام سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

ترجمہ: اس کے پہرے دار انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں۔

یہ محافظ فرشتے مخلوق کے اعمال کو محفوظ کرتے ہیں، ان کے اقوال افعال کو شمار کرتے ہیں۔ ان سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی شے ان سے پوشیدہ رہتی ہے۔ ترجمہ: یقیناً تم پر نگہبان عزت والے لکھنے والے مقرر ہیں، جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔

ان تمام اقوال و افعال کا اللہ انہیں بروز قیامت بدلہ دے گا، اچھے عمل کا نتیجہ یقیناً اچھا ہوگا اور برے کا برا۔

خصوصی حفاظت: یہ حفاظت اللہ کے مومن بندوں کے ساتھ خاص ہے۔

جو شخص اس حفاظت کا خواہش مند ہو اور اس میں شامل ہونا چاہتا ہو' تو اس حفاظت کا ضابطہ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ہے: "اللہ کے (احکام) کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا" کیوں کہ اللہ اسی کی نگہبانی کرتا ہے جو اس کے (اوامر) کی حفاظت کرتے ہیں، آپ جس قدر اللہ (کے احکام) کی حفاظت کریں گے' اسی قدر اللہ بھی آپ کی حفاظت کرے گا، جب اس کے (حکم) کی آپ مکمل حفاظت کریں گے تو اللہ بھی آپ کی مکمل حفاظت کرے گا، اور جب آپ اس (کے احکام) کی حفاظت میں کمی کریں گے تو اللہ بھی آپ کے لیے اپنی نگہبانی میں کمی لے آئے گا۔ اس لیے کہ بدلہ عمل کے قبیل سے ہے۔

بندہ اپنے رب کی حفاظت کیسے کر سکتا ہے؟

اہل علم نے اس مسئلے میں تفصیل بیان کی ہے، لیکن ہم تین نقاط میں گفتگو کریں گے:

۱- اللہ کے حدود کی حفاظت کرنا۔

۲- اعضاء وجوارح کی حفاظت کرنا۔

۳- دل کی حفاظت کرنا۔

یہ ایسی تین چیزیں ہیں کہ اگر آپ ان کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو آپ اس لائق ہو جاتے ہیں کہ آپ کو اللہ کی خصوصی حفاظت مل سکے۔

اللہ کے حدود: اللہ تعالی فرماتا ہے:

ترجمہ: اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے اور مومنوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

اللہ کے حدود سے مراد اس کے اوامر و نواہی ہیں، یہ پورے دین کو شامل ہے، لیکن ان امور و واجبات میں سب سے اہم چیز جس کی حفاظت انسان پر لازم ہے وہ (نماز) ہے۔ نماز ہی ایسا پیمانہ ہے جس سے اللہ کے تمام اوامر کے تعلق سے آپ اپنی حفاظت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

ترجمہ: نمازوں کی حفاظت کرو' بالخصوص درمیان والی نماز کی' اور اللہ تعالی کے لئے باادب کھڑے رہا کرو۔

نیز اللہ پاک فرماتا ہے:

ترجمہ: جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: جو پنج وقتہ نماز، ان کے رکوع و سجود اور اوقات کی حفاظت کرے اور یہ یقین رکھے کہ یہ اللہ کی جانب سے حق ہیں تو وہ جنت میں داخل ہو گا" یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ: "اس کے لئے جنت واجب ہو گئی" یا یہ فرمایا کہ: "جہنم اس کے اوپر حرام کر دی گئی"[1]۔

ایک دوسری حدیث میں ہے "جو ان نمازوں پر دوام برتتا ہے، اس کے لئے یہ نمازیں قیامت کے دن روشنی، حجت اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی"[2]۔

نماز آپ کا سرمایہ ہے، وہ تمام عباتوں کی بنیاد ہے، وہ آپ کی مدافعت کرنے والا پہلا ہتھیار ہے، جب میت کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو نماز اس کے سر کی جانب سے آتی ہے تا کہ اس کا دفع کر سکے اور یہ کہتی ہے کہ "میرے طرف سے (عذاب کا) کوئی راستہ نہیں"[3]۔

نماز ایسی عبادت ہے جس کے طفیل بندے کو اللہ کے چہرے کا دیدار نصیب ہو گا۔

"پس اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے والی نماز (فجر) اور سورج غروب ہونے سے پہلے والی نماز (عصر) سے تمہیں کوئی چیز روک نہ سکے تو ایسا ضرور کرو"[4]۔

جب اللہ اہل جنت کے لیے اپنا چہرہ انور کھولے گا اور وہ اللہ جل شانہ کے چہرہ مبارک کا دیدار کریں گے تو پاکی و تعریف والے اللہ کے چہرہ انور کے دیدار سے حاصل ہونے والی عظیم چاشنی کی وجہ سے وہ جنت کی نعمت تک کو

---

[1] اسے احمد نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور البانی نے اسے صحیح الترغیب: (۱/۲۷۶) میں حسن قرار دیا ہے۔

[2] اسے احمد نے جید سد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[3] اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح الترغیب (۳/۴۰۴) میں حسن کہا ہے۔

[4] مسلم

بھول جائیں گے ۔یہ وہ نعمت ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور نعمت نہیں۔ہم اللہ کے اس فضل کا سوال کرتے ہیں،اور یہ فضل نماز سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

نماز ایسی عبادت ہے جو آپ کے گناہوں کو دھول دیتی ہے۔"پانچوں نمازوں کی مثال گہری بہتی نہر کی مانند ہے جو کسی کے دروازہ پر ہو اور وہ ہر روز اس میں پانچ بار نہاتا ہو"[1]۔

یہ نماز ہی ہے کہ جب آپ اس میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں تو آپ اپنے تمام اعمال میں کامیاب ہو جائیں گے۔

جب آپ نماز کو ضائع کر دیں گے ،اس میں کمی کرنے لگیں گے ،اس کی ادائگی میں جلدی کرنے لگیں گے،اس سے بے اعتنائی برتنے لگیں گے (تو اس طرح کی) نماز سے آپ فارغ بھی نہ ہوں گے کہ وہ یہ بد دعا کرے گی : اللہ تمہیں بھی ضائع کر دے جس طرح ت نے مجھے ضائع کر دیا!!آپ یہ یقین کر لیں کہ اس کی پامالی کی وجہ سے آپ اللہ کے دیگر اوامر اور حقوق کو اس سے زیادہ ضائع کرنے والے ٹھہریں گے۔

اس لئے میں دوبارہ آپ سے یہ بات کہ رہی ہوں کہ: نماز ہی ایسا پیمانہ ہے جس سے اللہ کے تمام اوامر کے تعلق سے آپ اپنی حفاظت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

گویا کہ نماز بنیاد ہے،جب آپ بنیاد کو مضبوط (محفوظ) کر لیں گے تو شاخیں بھی ضرور مضبوط (محفوظ) رہیں گی۔

ا- نماز کی حفاظت اور اس کی پابندی کی ابتداء وضوء سے ہوتی ہے،اچھے انداز میں اور مکمل طور وضوء کریں اور یہ احساس رکھیں کہ یقیناوضوء عبادت ہے اور آپ کا گناہ اس وضوء (کے پانی) کے ساتھ بہ جاتا اور گر جاتا ہے "جب مسلمان شخص وضوء کرتا ہے تو اس کی خطائیں اس کے کان، آنکھ،ہاتھ اور پاؤں سے نکل جاتی ہیں،اگر وہ بیٹھتا ہے تو بخشش کے ساتھ بیٹھتا ہے[2]"۔

---

[1] مسلم

[2] (صحیح الترغیب والترہیب:۱۹۳)

۲- نماز کی حفاظت یہ بھی ہے کہ آپ اس بات کی معرفت رکھیں کہ نماز امتحان گاہ ہے جہاں اللہ لوگوں کا امتحان لیتا ہے، نماز کے اندر جس کا قیام بہتر ہو گا اللہ کے سامنے بھی اس کا وقوف بہتر ہو گا، جب آپ اپنی نماز میں داخل ہوں تو نفس کا مقابلہ ضرور کریں تا کہ نماز کے اندر شیطان آپ کو مغلوب نہ کر سکے۔ کیوں کہ (نماز) کے اندر شیطان کی طرف سے بار بار (وسوسے) اور حملے ہوتے ہیں، بالخصوص اس حال میں جب کہ آپ کو یہ معلوم ہے کہ شیطان ابن آدم کے دل پر اپنی لگام ڈالے رکھتا ہے، اگر بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے لیکن اگر وہ اللہ کو بھول بیٹھتا ہے تو شیطان اس کے دل پر حاوی ہو جاتا ہے، اس لئے آپ بیدار رہیں، نماز کے محافظ رہیں، اس میں مشغول رہیں، وسوسوں اور خیالات سے اپنے دل کو قابو میں رکھیں، اور دل کے بکھرے خیال کو سمیٹے رہیں یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہو جائیں اور آپ کے حق میں مکمل نماز لکھی جائے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ""آدمی (نماز پڑھ کر) لوٹتا ہے تو اسے اپنی نماز کے ثواب کا صرف دسواں، نواں، آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھا، تیسرا اور آدھا ہی حصہ ملتا ہے"[1]۔

۳- نماز کی حفاظت یہ بھی ہے کہ آپ اللہ سے بکثرت اور اصرار کے ساتھ یہ دعا کریں کہ اللہ نماز میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دے اور اس میں آپ کو خشوع و خضوع سے نوازے، کیوں کہ خشوع و خضوع نماز کا مغز، اس کی روح اور لذت ہے، اللہ فرماتا ہے:

ترجمہ: یقینا ایمان والوں نے فلاح حاصل کرلی، جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "کوئی ایسا مسلمان نہیں جو وضوء کرتا ہے اور اچھے انداز میں مکمل طور پر وضوء کرتا ہے پھر نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، وہ جو کہتا ہے اسے وہ جان رہا ہوتا ہے، تو جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس کی حالت ویسی ہی ہوتی ہے

---

[1] (صحیح الترغیب والترہیب ۱/۳۵۵)

جیسی حالت اس دن تھی جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا "[1]۔(اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ اس کے اسناد صحیح ہیں، صحیح الترغیب۔۳۵۵/ا میں ہے)

اگر نماز آپ کو مشغول رکھتی ہو' وہ آپ کے لئے اہم ہو' آپ کا اہم مسئلہ ہو'، آپ چاہتے ہوں کہ آپ نماز میں بہتری لائیں، اس میں حسن پیدا کریں، اور آپ ان لوگوں شمار کیے جائیں جو نماز میں داخل ہوتے ہیں تو انہیں احساس ہوتا ہے کہ اللہ انہیں دیکھ رہا ہے، ان کی تلاوت بغور سن رہا ہے، اسی وجہ سے ان کا دل اور ان کے اعضاء وجوارح (نماز) میں حاضر ہوتے ہیں، بلکہ آپ ان سے بھی زیادہ ترقی کرنا چاہتے ہیں، تاکہ آپ ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جو نماز میں ہوتے ہیں تو اس طرح ہوتے ہیں گویا کہ وہ اپنی نگاہ کے سامنے (اللہ) کا دیدار کر رہے ہوں، ان کے دل اللہ (کی یاد) میں منہمک ہوتے ہیں، چاہے (تلاوت اور نماز) کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو جائیں، اور اس کے پاؤں کی حالت بدل ہی کیوں نہ جائے۔ وہ اپنی نماز سے محظوظ ہو رہے ہوتے ہیں اور خوائش کرتے ہیں کہ نماز ختم ہی نہ ہو۔(اگر آپ ایسا چاہتے ہیں) تو بکثرت یہ دعا کریں کہ اللہ نماز میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دے اور نماز کے اندر خشوع، لمبے قیام اور اس کی چاشنی سے نوازے۔ کیوں کہ دعا اس غم کو دور کر دیتا جس سے آپ کا دل بوجھل ہوتا ہے، اللہ کی نظر میں دعا سے زیادہ کوئی بھی چیز معزز نہیں۔

اعضاء وجوارح کی حفاظت: ہم سابقہ نقطہ میں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ کے حدود و اوامر میں سے سب سے اہم چیز جس کی حفاظت آپ پر واجب ہے وہ نماز ہے۔ اگر آپ اس کی حفاظت کرتے ہیں تو اس کے ماسوا جو اوامر ہیں' آپ ان کی زیادہ حفاظت کر سکیں گے، جب آپ اس کی حفاظت کریں گے تو اللہ اپنے بقیہ اوامر میں بھی آپ کی حفاظت کرے گا، اس باب میں ہم یہ کہیں گے کہ آپ کے اعضاء میں سے سب سے اہم چیز جس کی حفاظت آپ پر واجب ہے وہ زبان ہے۔

زبان کی حفاظت کریں اللہ آپ کے دیگر اعضاء وجوارح کی حفاظت کرے گا۔

---

[1] (اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ اس کی سند صحیح ہے، صحیح الترغیب:۳۵۵)

جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء زبان کو لعن وطعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں: تو ہمارے سلسلے میں اللہ سے ڈر اس لیے کہ ہماری دستگی تم سے ہے' اگر تو سیدھی رہی تو ہم سب سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم سب بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے "[1]۔

زبان کے لعن وطعن کرنے کا مطلب یہ ہے کہ: اعضاء وجوارح تواضع اور عاجزی کے ساتھ زبان کو مخاطب کرتے ہیں، زبان خطرناک اور مشکل دروازہ ہے، بہت کم لوگ اس سے نجات پاتے اور مامون رہتے ہیں، زبان آزمائش کی جگہ ہے' نیک وصالحین لوگ سب سے زیادہ زبان سے ہی خوف کھاتے ہیں، کبھی ایک کلمہ کی وجہ سے انسان سربلند ہو جاتا ہے تو کبھی وہ محض ایک کلمہ کی بنیاد پر مشرق ومغرب کی مسافت سے زیادہ دور جا گرتا ہے۔

"تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر وہ سمندر کے پانی میں گھول دی جائے تو وہ اس پر بھی غالب آجائے گی "[2]۔

"ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کا ایک اونٹ بیمار ہو گیا اور ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ایک فاضل سواری تھی تو رسول اللہ ﷺ نے زینب سے فرمایا: "تم اسے ایک اونٹ دے دو" وہ بولیں: میں اس یہودیہ کو دے دوں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ ناراض ہو گئے اور ذی الحجہ، محرم اور صفر کے چند دنوں تک ان سے بات چیت ترک رکھی "[3]۔ صرف ایک بات کی وجہ سے (آپ نے ایسا رویہ اپنایا)۔

جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اسی دوران بدبو دار ہوا اٹھی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مومن بندوں کی غیبت کرتے ہیں "[4]۔

ہماری زبان کی وجہ سے ہی شیطان ہمیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہوتا ہے!!

---

[1] (اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ابی الدینا نے روایت کیا ہے، علامہ البانی نے اسے صحیح الترغیب والترہیب ۹۳/۳ میں حسن قرار دیا ہے)

[2] (اس حدیث کو امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ صحیح الترغیب: ۷۷/۳)

[3] (ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے: صحیح الترغیب: ۷۷/۳)

[4] (امام احمد اور ابن ابی الدینا نے اس کی روایت کی ہے، صحیح الترغیب والترہیب، ۷۹/۳)

اگر زبان اور ان کلمات کی فہرست کھول کر بیٹھ جائیں جنہیں ہم دن و رات بولتے ہیں تو ہم اپنے آپ کو مصائب کے گھیرے میں پائیں گے، بالکل اس سیلاب کی طرح جو بہت تیزی سے آتا ہے اور ہمیں پوری طرح ڈبو دیتا ہے اور ہم میں سے کوئی اس سے بچ نہیں پاتا....!!ہم میں سے ہر کوئی تہمت کے زد میں ہے، ہر کوئی بولتا اور باتیں بناتا ہے، ہر کوئی اپنی زبان چلاتا اور (لوگوں کو طعن و تشنیع کا) نشانہ بناتا ہے! یہ (ایسا معاملہ ہے) جس سے بچنے کی کوئی راہ نہیں...

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول پر غور کریں: "قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، روئے زمین پر کوئی ایسی چیز نہیں جسے محبوس رکھنے کی زیادہ ضرورت ہو بنسبت زبان کے "حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے زبان کو کھینچ کر کہتے تھے: "اسی نے مجھے ان انجاموں تک پہنچایا"[1]۔ اللہ پاک فرماتا ہے:

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہے۔

غیبت اور عیب جوئی میں زندگی کا کتنا حصہ صرف ہوتا ہے؟؟

چند ہی لمحے اور سکنڈ کی بات ہوتی ہے' محض زبان کو حرکت دی جاتی ہے، آنکھ یا منہ اور دوسرے اعضاء سے اشارہ کیا جاتا ہے' لیکن ایسا کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ (اس کا انجام) ویل ہے، (جو جہنم میں ایسی وادی کا نام ہے جس میں جہنمی کے خون اور پیپ بہیں گے) ہم اپنے نامہ اعمال کا اکثر حصہ اپنی زبانوں کی لغزشوں اور ان کی غلط بیانیوں سے سیاہ کرتے ہیں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جسم کا کوئی ایسا حصہ نہیں جو زبان کی تیزی وشدت سے (پیدا ہونے والی) خرابی وبدی کی شکایت نہ کرتا ہو"[2]۔

زبان کی خرابی کا مطلب ہے اس کا شر اور اس کی فحاشی۔

---

[1] (صحیح الترغیب والترہیب)

[2] (صحیح الترغیب والترہیب)

اسی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی کہ: "جس نے اپنی دونوں ڈاڑھوں اور اپنے دونوں ٹانگوں کے درمیانی حصے کی حفاظت کرلی وہ جنت میں داخل ہو گا"[1]۔

یہ ایک معلوم سی بات ہے کہ جسمانی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ آپ اسے محرمات سے بچائے رکھیں اور طاعت الٰہی میں استعمال کریں، جو اپنے اعضاء وجوارح سے مسفید ہونا چاہتا ہو اور اس معنی کو محسوس کریں جو ہم اپنی دعائوں میں بار بار دہراتے ہیں: "اے اللہ ہماری نگاہوں اور ہماری بصارت کی حفاظت فرما اور انہیں ہمارا وارث بنا" تو اسے چاہئے کہ اللہ کی طاعت میں ان کا استعمال کرے، اللہ اس کے لئے انہیں محفوظ رکھے گا۔

ابو طیب طبری جن کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی اور اس عمر میں بھی اپنی عقل و فراست اور قوت وطاقت سے لیس تھے، ایک دن انہوں نے کشتی سے زمین پر بہت زبردست انداز میں چھلانگ لگایا جس پر انہیں ملامت کی گئی، اس وقت انہوں نے کہا: "یہ وہ اعضاء ہیں جنہیں ہم نے بچپن میں معاصی سے بچائے رکھا، تو اللہ نے انہیں بڑھاپے میں ہمارے لئے محفوظ رکھا"[2]۔

دل کی حفاظت: آپ کا دل، اللہ کی جانب سے آپ کو دی گئی امانت ہے، اس لئے آپ اس کے تعلق سے کوتاہی کرنے، یا اس میں خیانت کرنے یا اسے بیکار چھوڑنے سے بچیں، وہ ایسی جگہ ہے جس پر اللہ کی نگاہ ہوتی ہے، وہ انسانی جسم کا سب سے نفیس، سب سے اشرف اور سب سے قیمتی عضو ہے، وہ اللہ تک لے جانے والا آپ کا راستہ ہے، اللہ کی طرف سفر ایک ایسا سفر ہے جو پاؤں، نفیس اونٹوں اور جانوروں کی سواریوں سے طے نہیں کیا جاتا بلکہ دلوں کا اللہ کی جانب (پھر جانا) ہی اللہ کی طرف سفر کرنا ہے:

ترجمہ: جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی، لیکن فائدہ والا وہی ہو گا جو اللہ تعالی کے سامنے بے عیب دل لے کر جائے۔

---

[1] (صحیح الترغیب والترہیب)

[2] (نور الاقتباس: ابن رجب)

میں "نور علی الدرب "(جو "اِذاعۃ القرآن الکریم" ریڈیو چینل پر نشر ہوتا ہے)نامی پروگرام کے سلسلہ کو سنا کرتی تھی،اس پروگرام سے ایک خاتون نے رابطہ کرتے ہوئے کہا:موسم سرما میں اسے عبادت کرنے میں سستی اور اکتاہٹ ہونے لگتی ہے خاص کر وتر اور قیام اللیل میں سخت ٹھنڈ کی وجہ سے اس کا سامنا ہوتا ہے۔

شیخ نے اس عبارت کے ذریعے اس کا جواب دیا،یہی وہ نکتہ جسے میں بیان کرنا چاہتی ہوں۔وہ عبارت درست اور صحیح ہے جو آپ کے لئے (اے قاری)دل کی عظمتِ شان کو بیان کرتی ہے!!

شیخ نے اس سے کہا:"جب دل زندہ ہوتا ہے تو چاہے موسم گرما ہو یا موسم سرما جسم کے اندر حرکت باقی رہتی ہے"،اور یہ بات درست ہے۔

جب دل شاداب ہوتا ہے تو اعضاء وجوارح بھی شاداب رہتے ہیں، ہم جسم کو حرکت دیتے ہیں اور ہمیں عبادت میں نشاط محسوس ہوتا ہے، لیکن جب دل کمزور پڑجاتا ہے تو اعضاء بھی کمزوری کے شکار ہوجاتے ہیں، جسم میں اکتاہٹ آجاتی ہے اور وہ عبادت میں سست پڑجاتا ہے...

اگر ہم اپنے دلوں کا خیال نہیں رکھیں تو ہمارے اعضاء بیکار ہوجائیں گے، جیسا کہ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:"اپنے دل کا علاج کریں، کیوں کہ رب کا بندے سے یہی مطالبہ ہے کہ وہ اپنے دلوں کی اصلاح کریں"۔(جامع العلوم والحکم)

ہم اپنے دلوں کی حفاظت کیسے کریں؟

۱- آپ اپنے دل کو شکوک وشبہات سے محفوظ رکھیں تاکہ آپ کا دل ضائع اور برباد نہ ہو۔

۲- آپ اپنے دل کی حفاظت کریں اس طور پر کہ فریب، خباثت، برے ارادے اور دلوں کی معصیت سے اسے پاک وصاف اور خالی رکھیں، کیوں کہ یہ تمام برے اوصاف دل کو برباد اور خراب کردیتے ہیں۔

۳- آپ اپنے دل کی محافظت اس طرح کریں کہ آپ اپنے رب کے اسماء وصفات کا علم حاصل کریں، جو اللہ کے نزدیک اپنا مقام جاننا چاہتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر اللہ کی عظمت کو دیکھے، کیوں کہ اللہ اپنی جانب سے بندہ کو وہی منزلت عطا کرتا ہے جو مقام بندہ کے اندر رب کا ہوتا ہے۔

۴-کلام الٰہی سے دل کو بکثرت سیر اب کر کے اس کی حفاظت کریں تا کہ یہ دل خشک اور سوکھ نہ جائے، سخت نہ ہو جائے اور اس چٹیل و بنجر زمین کی مانند نہ ہو جائے، جہاں کوئی پودا اور پانی نہیں ہوتا:

ترجمہ: ہلاکی ہے ان پر جن کے دل یاد الٰہی سے (اثر نہیں لیتے) بلکہ سخت ہو گئے ہیں۔

۵- کثرت سے دلی اعمال انجام دے کر اپنے دل کی حفاظت کریں جیسے کہ (محبت کرنا، خوف کھانا، امید رکھنا، عاجزی و خشوع اختیار کرنا، توبہ وانابت کرنا، انکساری کرنا، بھروسہ کرنا، حضور دل سے اللہ کو یاد کرنا، متوجہ ہونا، خود سپردگی کرنا اور تعظیم بجالانا... اور ان جیسے دیگر دلی اعمال انجام دینا)

آپ اپنے آپ کو اس کا خوگر بنائیں، یہ تمام کے تمام اعمال آپ کو آپ کے دل کی سلامتی، اس کی پاکی، رقت اور اس کی نرمی کی ضمانت دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ اللہ تعالی کے برتن ہیں' جن کا تعلق اہل زمین سے ہے' تمہارے پروردگار کے برتن نیک لوگوں کے دل ہیں' ان میں سے اسے سب سے زیادہ پسندیدہ' زیادہ نرمی اور شفقت والے ہیں"[1]۔ اللہ رب العالمین کی جانب سے اس طرح کے دل رکھنے والوں کے لئے پہلے ہی سے بشارت ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

ترجمہ: عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔ (سورہ حج: ۳۴)

آپ ہر اس شخص کو بشارت دے دیں جن کا دل نرم ہے، جن کا دل کانپتا ہے، اور جن کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں... ہر اس شخص کو خوشخبری دے دیں، جو ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں، جو عاجزی اختیار کرتے اور توبہ وانابت کرتے ہیں۔

ہر اس فرد کو مزدہ جاوداں سنا دیں جن کی آنکھوں کے آنسو گرم' لبالب اور بھرے ہوتے ہیں اور جو دن و رات اپنے آپ کو اپنے رب کی طرف کھنچتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔

ترجمہ: عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

---

[1] (سلسلہ صحیحہ: ۱۶۹۱)

حدیث میں آیا ہے:"جنت میں ایسی قومیں داخل ہوں گی جن کے دل پرندوں کے دلوں کی طرح ہوں گے "[1]۔
رقت ونرمی، خوف وحراس اور کمزوری وناتوانی میں ان کے دل پرندے کے دل کی مانند ہوں گے۔ وہ بکثرت اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرنے والے، (اس کی طرف) رجوع اور انابت کرنے والے ہیں، اگر ان میں سے کسی سے چھوٹا سے چھوٹا گناہ بھی سرزد ہو جائے تو وہ اسی طرح بے کل ومضطر ہو جاتا ہے جس طرح گوریا بے کل ہو جاتا ہے، پھر وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا اور لوٹ جاتا ہے۔

اپنے دل کی حفاظت کریں:

آپ کا دل آپ کے پاس امانت ہے، آپ جس قدر اپنے دل کا خیال رکھیں گے اسی قدر آپ کو اجر سے نوازا جائے گا، دل کی اصلاح کی کوشش سے بڑھ کر کسی اور چیز کی اصلاح کی کوشش نہیں ہو سکتی، حفاظت کے یہ تین محور ہیں، آپ اللہ کے حدود، اپنے اعضاء وجوارح اور دل کی حفاظت کریں۔ اگر آپ نے ان تینوں کی حفاظت کر لی، تو اللہ آپ کی حفاظت فرمائے گا۔

حفاظت کے فائدے:

۱-اگر اللہ (حفیظ) آپ کی حفاظت کرے، تو آپ کے لئے خیر ہی خیر ہے، گویا آپ نے پورا خیر اپنے دامن میں سمیٹ لیا، اگر اللہ کی جانب سے آپ کو حفظ وامان مل گیا تو کسی کی یہ بساط نہیں کہ وہ آپ کو نقصان پہنچا سکے، آپ کو اذیت دے سکے، اور آپ پر تسلط جما سکے۔

۲-اگر اللہ آپ کی حفاظت کرے، تو آپ کے لئے اللہ کا دفاع بڑھ جائے گا' آپ کے حق اللہ کی مدد میں اضافہ ہو جائے گا، آپ کی خامیوں پر اس کی پردہ پوشی مزید دوبالا ہو جائے گی، تاکہ لوگ ان سے واقف نہ ہو سکیں۔ حفاظت کا نتیجہ اور اس کا فائدہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے واضح ہو جاتا ہے:" اللہ کے (احکام) کی حفاظت کرو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے"۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہر حال میں اللہ کی معیت نصیب ہو گیا اللہ

---

[1] مسلم:۷۰۹

آپ کی دیکھ بھال کرے گا، آپ کی مدد کرے گا، آپ کو راہ راست پر چلائے گا،اور اپنی راہ کی رہنمائی کرے گا، آپ کے ایمان، دل، اہل خانہ، مال اور آپ کی اولاد کی حفاظت کرے گا۔

قتادہ کہتے ہیں: جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے ساتھ ہو جاتا ہے، اور جسے اللہ کی معیت مل جائے، اس کے ساتھ ایسی جماعت ہوتی ہے، جو مغلوب نہیں ہوتی، ایسا نگہبان ہوتا ہے جو سوتا نہیں، اور ایسا رہنما ہوتا ہے جو گمراہ نہیں ہوتا، آپ قرآن پڑھ جائیں، آپ کے سامنے یکے بعد دیگرے ایسی آیات ہوں گی جو انبیاء کرام، نیک وصالح بندے، اور صحابہ کرام کے حق میں اللہ کی حفاظت کی تصویر پیش کریں گی۔ اللہ نے ان کے قلوب اور ایمان کی حفاظت کی، اس کا ذکر بہت سے مقامات پر آیا ہے' خاص کر ان سورتوں میں جن کے اندر غزوات پر گفتگو کی گئی ہے۔

لیکن بغیر تدبر کے ان آیتوں کا کیا فائدہ؟

ترجمہ: اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگراں نہیں ہوں۔

۳-جب اللہ آپ کی حفاظت کرتا ہے تو وہ آپ کے اور اپنی معصیت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، ابن رجب نے اس شخص کے بارے میں ذکر کیا ہے جس نے کسی گناہ کا ارادہ کیا، (جب) وہ اس گناہ کے لئے نکلا تو راستے میں ایسے شخص کے پاس سے اس کا گزر ہوا جو اپنے درس میں وعظ کر رہا تھا' اس نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: اے برائی کے ارادہ کرنے والے نافرمان! کیا تمہیں یہ علم نہیں کہ ارادے کا خالق تمہارے (برے) ارادے سے باخبر ہے؟ (یہ سننا تھا) کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور ہوش آتے ہی اس نے توبہ کر لی[1]۔

کتنی باتیں ایسی ہیں جو اللہ آپ کو سناتا ہے، (جب کہ آپ بے کسی، کمزوری اور حیرت واستعجاب کی حالت میں ہوتے ہیں اور آپ کی جو حالت ہوتی ہے اس سے آپ بخوبی باخبر ہوتے ہیں) اس وقت اللہ آپ کو کسی خطیب یا

[1] (نور الاقتباس: ابن رجب، تصرف کے ساتھ، میں قاری کو یہ مفید رسالہ پڑھنے کی نصیحت کرتی ہوں)

کسی شیخ کی زبانی یا ریڈیو اور کسی دوسرے توسط سے ان باتوں کو سناتا ہے۔ تاکہ آپ کے دین اور ایمان کی حفاظت کر سکے' آپ کو ثابت قدمی عطا کرے' آپ کو بیدا کر دے' آپ کو آپ کی حیرت سے باہر نکال دے' یا آپ کو اس گناہ سے واپس لوٹا دے جس کی طرف آپ بڑھے جا رہے ہیں!!

اللہ آپ کو دل کی سماعت سے ان باتوں کو سناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اللہ آپ کو (گناہ سے) محفوظ رکھتا ہے اور آپ کے اور اپنی معصیت کے مابین حائل ہو جاتا ہے۔ یہ آپ کے حق میں اللہ جل شانہ کی حفاظت کی ایک صورت ہے۔

۴-جب اللہ آپ کی حفاظت کرتا ہے تو وہ آپ کے اور اس دنیاوی سبب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے جو آپ کی اذیت اور نقصان کا باعث ہو سکتا تھا' ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (جب بندہ تجارت اور امارت جیسے معاملے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ فرشتوں کی طرف دیکھ کر کہتا ہے، اسے اس سے پھیر دو کیوں کہ اگر میں نے اسے اس کے لیے آسان کر دیا تو میں اسے جہنم میں داخل کر دوں گا، چناں چہ اسے اس سے پھیر دیا جاتا ہے)[1]۔

اللہ تعالی کا نام : (الوہّاب)

ابن القیم اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

وكذلك الوهاب من أسمائه فانظر مواهبه مدى الأزمان

أهل السماوات العلى والأرض عن تلك المواهب ليس ينكفان

ترجمہ: اسی طرح اللہ کے ناموں میں سے ایک وہاب (بہت زیادہ نوازنے والا) بھی ہے۔

آپ ہر زمانے میں ہونے والی اللہ کی نوازشوں پر غور کریں۔

بلند آسمان اور زمین کے مکیں ان نوازشوں سے الگ نہیں ہیں۔

قرآن کریم کے اندر تین مقامات پر (اللہ کا اسم گرامی) الوہاب وارد ہوا ہے:

---

[1] (نور الاقتباس: ابن رجب، تصرف کے ساتھ)

* اللہ فرماتا ہے:

ترجمہ: اے ہمارے رب !ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بڑی عطا دینے والا ہے۔

* نیز اللہ کا ارشاد ہے

ترجمہ: اکیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں۔

* اللہ تعالی سلیمان علیہ السلام کی زبانی فرماتا ہے:

ترجمہ: کہا اے میرے رب! مجھے بخش دے، اور مجھے ایسا ملک (بادشاہت) عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو تو بڑا ہی دینے والا ہے۔

ہبہ کی تعریف کیا ہے:

یہ ایسی نوازش کا نام ہے جو ہر طرح کے مقاصد، آمیزش، اذیت اور نقصان سے خالی ہوتی ہے۔

عطیہ کو ہبہ سے کب موسوم کیا جاتا ہے؟

جب عطیہ بدلے سے خالی ہو۔: آپ کو نوازے لیکن اس نوازش کی طفیل آپسے کسی بدلے کا انتظار نہیں کرے ،اس طور پر کہ آپ نوازنے والے کو اسی کے ہم مثل یا اس سے بہتر تحفہ نوازیں۔

جب یہ عطیہ ہر طرح کے مقاصد سے خالی ہو۔ کوئی آپ کو عطا کرے لیکن آپ سے کسی طرح کی تعریف و مدح سرائی اور کسی طرح کے حصے کا منتظر نہ ہو اور نہ ہی وہ اس بات کا انتظار کرے کہ آپ اس کی کوئی مذمت کو دور کریں، چناں چہ وہ آپ کو بغیر کسی بدلے اور مقصد کے نوازے۔

جب یہ عطیہ ناپسندیدگی اور ضرر سے خالی اور پاک ہو: تو وہ پاک وصاف نوازش ہوتی ہے' جس میں کسی طرح کا نقصان، مکر و فریب، ڈھیل سازی اور بدی شامل نہ ہو۔

کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ وہّاب کے نام موسوم سے کیا جائے سوائے ان صورتوں کے:

جب اس کی نوازشیں مختلف، متعدد اور کثیر تعداد میں ہوں' یہ ایک ناحیے سے، اور دوسرے ناحیے سے اس کی نوازش مسلسل جاری رہے' اس میں دوام اور ہمیشگی ہو، اس بنیاد پر حقیقی معنوں میں نوازنے والا صرف اللہ عزیز وبرتر ہی ہے، وہی پاک ذات ہے جس کی نوازشیں متنوع قسم کی ہیں، وہ جو بھی جس کے لئے چاہتا، نوازتا ہے، وہ مال ومنال، حسن وجمال، علم ومعرفت، آل واولاد، دنیا، بادشاہت، سازوسامان، اطاعت، رحمت ومغفرت اور ہدایت عطا کرتا ہے... وہ تمام چیزیں نوازتا ہے... دینا وآخرت سے تعلق رکھنے والی تمام چیزیں اللہ کی جانب سے عطا کردہ ہیں، اور یہ (تمام نوازشیں) اللہ کے نام "وہاب" سے تعلق رکھتی ہیں۔ اللہ کے تحفے اور نوازشیں اس کے بندوں بے حد وبے شمار پر برستی رہتی ہیں۔

-ترجمہ: اور ان سب کو ہم نے اپنی بہت سی رحمتیں عطا فرمائیں اور ہم نے ان کے ذکرِ جمیل کو بلند درجے کا کر دیا۔

-ترجمہ: اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی کو نبی بنا کر عطا فرمایا۔

-ترجمہ: اور ہم نے اسے اسحاق عطا فرمایا اور یعقوب اس پر مزید اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا۔

-ترجمہ: اسے یحی (علیہ السلام) عطا فرمایا اور ان کی بیوی کو ان کے لئے درست کر دیا۔

مختلف قسم کی نوازشیں آپ کو (وہاب) نوازنے والے کے مقام اور نوازش کی قدر وقیمت سے آگاہ کرتی ہیں، اگر کوئی حساس، زندہ اور روشن دل کے ساتھ کلمہ "وھبنا" کو پڑھے گا تو اسے یہ معرفت اور فہم حاصل ہو جائے گی کہ اس کلمے کا معنی ہے ہم نے بغیر سوال اور طلب کے عطا کیا... اور ہم نے نوازا اور اس میں وسعت سے کام لیا... ہم نے ایسی چیزیں عطا کر دی جس کے بارے میں کوئی یہ خیال بھی نہیں کر سکتا کہ ان چیزوں سے کوئی اور اسے نواز سکتا ہے... ہم ایسی چیزیں بھی عطا کرتے ہیں کہ کسی کے اندر یہ استطاعت نہیں کہ وہ کسی کو بھی ان چیزوں سے نواز دے۔

ایوب علیہ السلام کے تعلق سے اللہ فرماتا ہے:

ترجمہ: اور ہم نے اسے اس کو پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اتنا ہی اور بھی اس کے ساتھ اپنی (خاص) رحمت سے۔

مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ: حضرت ایوب علیہ السلام تیرہ سالوں تک اپنے مصائب سے جوجھتے رہے، یہاں تک قریب اور دور کے رشتے دار آپ سے کنارہ کش ہوگئے، ہم نشیں آپ کے ساتھ بیٹھنے سے کترانے لگے، مانوس لوگ آپ سے خوف کھانے لگے، دیگر لوگ بھی آپ سے الگ ہوگئے، آپ کے تمام اور اہل وعیال ختم ہوگئے .. ایک نیک وفادار بیوی ہی آپ کے ساتھ باقی رہ گئی جو آپکی خدمت کرتی اور آپکی ضرورتوں کو پورا کیا کرتی تھیں، حتی کہ وہ آپ کو کھانا کھلانے کی خاطر لوگوں کی خدمت بھی کیا کرتی تھیں، اس مصیبت سے آپ کے صبر میں مزید اضافہ ہوا، امیدیں اور بڑھ گئیں، اور آپ (رب) کی تعریف زیادہ کرنے لگے۔

اس صبر کے بعد ان پر نوازشیں ہوئیں... اللہ نے انہیں ان کا پورا کنبہ اور اس کے مثل انہیں اور بھی عطا فرمایا، ان کے لئے ان کی مری ہوئی اولاد کو زندہ کر دیا، ان میں سے جو مریض تھے' ان کو شفا عطا کیا، جو بکھر گئے تھے ان کو ان کے پاس جمع کر دیا، اللہ نے انہیں وہ چیزیں عطا کی جو ان سے لے چکا تھا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عطا کیا۔

صرف یہی نہیں بلکہ اللہ نے آسمان سے ان پر سونے کی ٹڈی نازل فرمایا، جیسا کہ صحیح بخاری میں میں آیا ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ایوب علیہ السلام کپڑے اتار کر نہا رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیوں کا ایک دل ان پر آکر گرا اور آپ انہیں کپڑے میں سمیٹنے لگے۔ ان کے رب نے انہیں پکارا کہ اے ایوب! کیا میں نے تجھے مالدار بنا کر ان ٹڈیوں سے بے پروا نہیں کر دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: کیوں نہیں۔ بے شک تو نے مجھ کو بے پروا اور مالدار کیا ہے مگر تیرے فضل و کرم اور رحمت سے بھی میں کہیں بے پروا ہو سکتا ہوں"[1]۔

---

[1] اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے: ۶/ ۴۲۰

یہ نوازش اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندے کے لئے اللہ کی نعمت ونوازش کس قدر کشادہ ہوتی ہے' جب تک بندہ اپنے رب کی خاطر اس طرح سے صبر کرتا رہتا ہے' سکون واطمنان کا مظاہرہ کرتا' تواضع اختیار کرتا اور گریہ وزاری کرتا ہے تو اللہ اسے بے شمار' بغیر کسی عوض اور غرض کے (بیش بہا) نعمتوں سے نوازتا ہے' کیوں کہ نوازش نوازنے والی کے مطابق ملتی ہے' نہ کہ نوازے جانے والے کے مطابق۔

جب آپ کو کوئی ناپسندیدہ اور غیر محبوب چیز لاحق ہو' اور آپ اس پر صبر کریں' واویلا نہ مچائیں' افسوس اور شکوہ نہ کریں تو یقین رکھیں کہ اللہ کی نوازشیں آپ کو مل کر رہیں گی' اور آپ جس قدر اللہ سے لو لگائیں گے اسی قدر آپ کو اللہ کی نوازشیں بھی حاصل ہوں گی۔

آپ زکریا علیہ السلام کی حالت پر غور کریں جب وہ نوے سال کی عمر کو پہنچ گئے تو اس کے بال میں سفیدی چھاگئی' ان کی ہڈیاں اور جسم کمزور پڑ گئے' زندگی کے انتہائی ضعف کو پہنچ گئے' یہ ایسی عمر ہے جس میں جسم کے سارے جوڑ اور ہڈیاں خشک ہو جاتی ہیں' ان سب پر مستزاد یہ کہ ان کی بیوی بھی بانجھ تھی' جو بچے نہیں جن سکتی تھی' وہ اسباب کے اعتبار سے حد درجہ عاجز تھے' وہ عاجزی ودرماندگی کے اس اتھاہ سمندر میں جب کہ عاجزی ہر چہار جانب سے انہیں اپنے گھیرے میں لی ہوتی ہے' وہ عبودیت وبندگی کو بروئے عمل لاتے ہوئے اللہ کے سامنے فقر ومسکنت' ذلت وانکساری اور حاجت ودرماندگی کا اظہار کرتے ہیں' اور اپنے پروردگار کے حضور سپر ڈال دیتے ہیں۔

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (جو شخص تمام پالنہاروں کے پالنہار کے در پر خود کو سپرد کر دے' اسے عرصہ دراز تک دیگر دروازوں کو کھولنے کی ضرورت پیش نہیں آتی)[1]۔

وہ اللہ کے سامنے اپنی کمزوری کا اظہار کرتا ہے... اے میرے رب! میں ہوا میں لہرانے والے ریشہ وپر سے بھی زیادہ کمزور ہوں ... کشتی کے اس سوار سے بھی کمزور تر ہوں جو موجوں کی زد میں ہوتا ہے'

---

[1] نزھۃ الخاطر العاطر لابن رجب

موجیں اسے اوپر نیچے کرتی رہتی ہیں... اوروہ لا محالہ غرق ہو کر رہتا ہے... اے میرے پروردگار میں اِس سے بھی اور اُس سے بھی کمزور ہوں۔

جب بندہ اس ضعف وانکساری کے ساتھ اپنے رب کے در پر خود سپردگی کرنے کا ہنر سیکھ لیتا ہے تو بے شک سارے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں اور نوازشیں اس پر برسنے لگتی ہیں۔

زکریاعلیہ السلام نے خود سپردگی کی اور اللہ سے یہ نوازش طلب کی کہ:

ترجمہ: اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ: جب آپ کسی انسان کو یہ کہتے ہوئے سنیں کہ: اے میرے پروردگار! مجھے نواز دے۔ تو یقین جانئے کہ اسباب سے قطع نظر اس کی ساری امیدیں اللہ سے وابستہ ہیں' کیوں کہ نوازش اللہ کی طرف سے بغیر کسی بدلہ کے ملتی ہے' اس لئے کہ اللہ بغیر اسباب کے بھی نوازتا ہے' اور اگر اسباب ناپید ہو جائیں تب بھی وہ نوازتا رہتا ہے' اپنے پروردگار پر جس کو یقین کامل ہو اسے اللہ نہ تو اس کی ذات کے سپرد کرتا ہے اور نہ اسباب کے حوالے' بلکہ اللہ جلّ جلالہ اسے صرف اپنے سپرد رکھتا ہے' اور اللہ جب آپ کو خود اپنے سپرد رکھے تو وہ آپ کے تمام معاملات کی تدبیر کرتا' آپ کی ضرورتیں پوری کرتا اور آپ کی حفاظت فرماتا ہے اور آپ بے نظیر سعادت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے اوپر سچا توکل کرنے اور تجھ سے حسن ظن قائم رکھنے کی دعا کرتے ہیں۔

ہمیں اللہ نے قرآن کریم میں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم اسی سے نوازشیں طلب کریں:

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ یقیناتو ہی بہت بڑا عطا کرنے والا ہے۔

یہ ایسی رحمت کی دعا ہے جس میں چھ قسم کی رحمتیں شامل ہیں:

دل میں توحید اور ایمان کا نور اور اعضاء وجوارح پر خدمت اور اطاعت کا نور ہو' دنیا کے اندر ذریعہ معاش آسان ہو جائے اور حالات بہتر ہو جائیں' جاں کنی کے وقت موت کی شدت آسان ہو جائے' قبر میں سوالوں کا جواب دینا آسان ہو' اور قیامت کے دن گناہوں کی مغفرت ہو جائے[1]۔

اللہ نے موسی علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان کے بھائی ہارون کو نبوت سے سرفراز کیا' نبوت وہ سب سے بلند وبالا انعام ہے جس سے اللہ بندے کو دنیا میں نوازتا ہے' کیوں کہ وہ عقل مندی وذہانت اور ذاتی کدوکاوش کی بنا پر نہیں ملتی بلکہ وہ محض اللہ کی نوازش ہوتی ہے۔

اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا بھی قبول فرمائی' چناں چہ انہیں اسحاق اور اس پر مزید یعقوب سے نوازا۔

اللہ نے سلیمان علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور انہیں ایسی عجیب وغریب بادشاہت سے سرفراز کیا جس کے اجزاء اور عناصر پر غور کرنے سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔

ہمارے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ ہم اپنے پروردگار کو ایک جانیں' اور اس عظیم اسم گرامی (الوہاب / خوب نوازنے والا) کے ذریعہ اس کی وحدانیت کا اظہار کریں۔ اپنے پروردگار سے ہی ہر ایک چیز طلب کریں' اس کے حق میں کسی چیز کو بڑا اور زیادہ نہ سمجھیں' کیوں کہ اللہ سب سے بڑا اور عظیم ہے' اللہ عزیز وبرتر کو یہ پسند نہیں کہ اس کا بندہ شک اور تردد کا شکار رہے اور یہ کہے کہ: کیسے ؟ کہاں سے ؟ یہ ممکن نہیں اور یہ محال ہے... گویا کہ اللہ کے خزانے ختم ہو گئے ہوں' اس کی نوازش کے سوتے خشک پڑ گئے ہوں' اور اس کے پاس وہ نوازشیں نہ ہوں جن کے ذریعہ وہ بندے کو بے نیاز کر سکے۔

---

[1] ڈاکٹر محمد الدبیسی نے اللہ کے اسم گرامی الوہاب کی شرح میں جو درس دیا ہے' اس سے منقول۔

اللہ کو یہ محبوب ہے کہ اس کا بندہ اسے ایک جانے' اس کی قدرت سے آگاہ ہو' اس کی نوازش وبادشاہت کی وسعت اور انعامات کی کثرت سے واقف ہو' اور یہ یقین رکھے کہ وہی پاک اور تعریف کے لائق (پالنہار) وہّاب / بہت زیادہ نوازنے والا ہے۔

اللہ تعالی کا نام: (الشکور)

اسم گرامی (الشکور) کے معنی ہیں: جو نیکی و بھلائی پر اس سے زیادہ بدلہ دے، کم عمل پر زیادہ اجر سے نوازے، اور اجر و ثواب میں بے حساب بڑھوتری فرمائے۔

اللہ کا اپنے بندوں کی شکر گزاری کرنے کے چند مظاہر:

جب آپ کا دل اللہ جل جلالہ کی راہ پر چلنے کا خوگر ہو جاتا ہے تو جب آپ اس کی طرف ایک بالشت بڑھتے ہیں تو وہ ایک ہاتھ آپ کی طرف بڑھتا ہے، اگر آپ اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتے ہیں تو وہ دو ہاتھ آپ کے قریب ہوتا ہے، حدیث قدسی میں آیا ہے: "میرے بندے! میری طرف (آنے کے لئے) کھڑے ہو جاؤ میں تمہاری طرف چل کر آؤں گا، تم میری طرف چل کر آؤ میں تمہاری طرف دوڑ کر آؤں گا"[1]۔

اس کے شکریے کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ وہ بندے کے حسن عمل کی خوشبو کو پھیلاتا ہے، چناں چہ فرشتوں کے درمیان اور ملائے اعلی میں اس کی تعریف کرتا ہے، اور لوگوں کے درمیان اس کی مقبولیت عام کر دیتا ہے۔

اس کی شکر گزاری کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ وہ بندے کے ہر عمل حتی کہ اس کے دل کی دھڑکن کو بھی اجر و ثواب کا ذریعہ بنا دیتا ہے، چناں چہ اسے ان حرکتوں پر اس کے تصور سے کئی گنا بڑھا کر اجر دیتا ہے۔

فرعون کے جادوگروں نے توبہ کی اور جادو کی ناپسندیدگی میں اللہ کے ساتھ صداقت اور سچائی سے کام لیا، اور اللہ ان کے دلوں کی حالت سے آگاہ اور ان کی نیتوں سے واقف تھا، چناں چہ ان کی صداقت وراستی کا بہتر بدلہ عطا فرمایا، انہیں ثابت قدمی عطا کی، ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا، ان پر صبر نازل فرمایا، ان کے ذکر کو بلند کر دیا اور ان کے سلسلے میں قرآن (کی آیتیں) نازل فرمائی۔

---

[1] السلسلۃ الصحیحۃ: ۲۲۸۷

بندے کے تئیں اس کی شکر گزاری کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ جو اللہ کی خاطر کوئی چیز ترک کرتا ہے ' اللہ اسے اس سے بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے' اور جو اس کے لئے کوئی چیز خرچ کرتا ہے' اس کے بدلے اسے کئی گنا بڑھ کر نوازتا ہے۔

بندے کے تئیں اس کی شکر گزاری کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اس نے ایک فاحشہ عورت کو مغفرت کا پروانہ عطا کر دیا (جو پیشہ ور زانیہ تھی' زناکاری و بدکاری میں اس نے اپنی زندگی کے کئی سال گزارے تھے) ' صرف ایک کتے کو سیراب کرنے پر اس کی مغفرت فرمادیا' کیا کسی کتے کو پانی پلانے سے اتنا بڑا اور گھناؤنا جرم بھی معاف ہو سکتا ہے؟

یقیناوہ بہت زیادہ بخشنے والا اور بہت زیادہ شکر ادا کرنے والا ہے' جس سے کیوں' کیسے اور کس لئے کے سوالات نہیں کئے جاسکتے۔

یقیناپاکی و تعریف والا پالنہار بہت زیادہ شکر ادا کرنے والا ہے' وہ اپنے بندے کو بھی شکر گزار دیکھنا پسند کرتا ہے' نبی ﷺ کی حدیث ہے "جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا' اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا"۔یعنی جس کی فطرت یہ ہو کہ وہ لوگوں کی نوازش کی ناشکری کرتا ہو' ان کے احسان و بھلائی کا اعتراف نہ کرتا ہو' اگر لوگوں کے ساتھ اس کی یہی عادت ہو تو اللہ کے ساتھ بھی اس کی عادت یہی ہو گی۔

یہی وجہ ہے کہ حجاز کی سرزمین میں جب ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل کی زیارت کو تشریف لائے' وہ اپنے گھر میں نہیں تھے' ان کی اہلیہ باہر آئی اور آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ کس حالت میں ہو؟ تو وہ فقر وفاقہ اور تنگ دستی کا شکوہ کرنے لگی... آپ نے اسماعیل کی اہلیہ سے عرض کیا: جب وہ لوٹیں تو انہیں کہنا کہ دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر لیں یعنی اپنی بیوی کو طلاق دے دیں.. کیوں؟ اس لئے کہ اس نے ناشکری کی' اللہ کی نعمت کو فراموش کر دی' اس کے پاس وفاداری کی خوبی کم تھی' جب کہ اللہ

اپنے وفادار اور شکر گزار بندوں کو محبوب رکھتا ہے' جو اللہ کے فضل واحسان کے ساتھ ہر محسن کے احسان کا اعتراف کرتے ہیں' اللہ ہمیں اور آپ کو اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمائے۔

ومن الرزية شكري صامت عما فعلت وأن برك ناطق

أأرى الصنيعة منك ثم أسرها إني إذا لندى الكريم لسارق

ترجمہ: یہ ایک بڑی مصیبت ہے کہ آپ کے کام پر میری شکر گزاری خاموش رہے' جب کہ آپ کا احسان بول رہا ہو۔ کیا میں آپ کے احسان و بھلائی کو دیکھ کر بھی اس پر پردہ ڈال دوں' اگر میں ایسا کروں تو میں سخی کی سخاوت کو چرانے والا ٹھہروں گا۔

آخری بات: شکر گزاری کے لئے خشوع وخضوع اور گریہ وزاری کی ضرورت پڑتی ہے:

اللہ کے چنیدہ وبرگزیدہ بندے یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ انہیں رزق سے نوازے اور شکر پر ان کی مدد فرمائے:

ترجمہ: مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے ماں باپ پر اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے۔ مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کرلے۔

ہمارے نبی ﷺ کی دعا بھی ملاحظہ فرمایئے جو آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو سکھائی تھی: "اے اللہ! تو اپنے ذکر وشکر بجالانے اور بہتر طریقے سے اپنی عبادت کرنے پر میری مدد فرما"۔ ہمیں آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ: "جو شخص صبح کے وقت یہ دعا پڑھتا ہے وہ رات بھر کا شکر ادا کرلیتا ہے: "اللهم ما أصبح بي من نعمة أو بأحد من خلقك فمنك وحدك لا شريك لك، فلك الحمد ولك الشكر" [1] (یعنی: اے اللہ! صبح کو جو نعمتیں میرے پاس یا تیرے کسی بھی بندے کے پاس ہیں وہ تیری ہی دی ہوئی ہیں' تو اکیلا ہے' تیرا کوئی شریک نہیں ہے' تو ہی ہر طرح کی تعریف کا مستحق ہے اور میں تیرا ہی شکر گزار ہوں)۔

---

[1] ابو داود اور نسائی نے اسے روایت کیا ہے۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی اس بات پر اپنے بندے سے راضی ہوتا ہے کہ وہ ایک کھانا کھائے اور اس پر اللہ کی حمد کرے یا پینے کی کوئی چیز (پانی اور دودھ وغیرہ) پیے اور اس پر اللہ کی حمد کرے"[1]۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں: "جس کے ساتھ کوئی احسان اور بھلائی کی جائے اور وہ محسن کو یہ دعا دے کہ :اللہ آپ کو جزائے خیر سے نوازے' تو نے اس تعریف میں کوئی کمی نہیں کی"[2]۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں یہ کہا کرتے تھے: "میں تجھ سے تمام چیزوں میں کمالِ نعمت کا خواستگار ہوں' ان نعمتوں پر تیری رضا تک اور رضا کے بعد بھی تیری شکر گزاری کا طلب گار ہوں' ہر اس چیز میں خیر و بھلائی کی دعا کرتا ہوں جس میں بھلائی ہے' تمام معاملات میں آسانی کی دعا کرتا ہوں' دشواری کی نہیں' اے داتا و کرم فرما!"[3]۔

---

[1] اسے ابو داود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

[2] مسلم نے روایت کیا ہے (۲۷۳۴)۔

[3] اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حسن جید ہے۔